ماہنامہ

المرشد

الله رسول محمد

فروری
2008ء

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

دنیا کا ہر وہ حکمران بدنصیب ہوتا ہے جسے اچھے ساتھیوں کی ٹیم میسر نہ آئے دوسرے لفظوں میں اچھی ٹیم چننے میں کامیاب نہ ہو سکے! امیر محمد اکرم اعوان

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

علم دین کا حصول

ایک اہم فریضہ دینی علم کا حاصل کرنا ہے جس کے فضائل تو بے شمار ہیں یہاں گنوانا ضروری نہیں' الگ سے اس موضوع پر کتب موجود ہیں۔ ہاں! اس کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض میں فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ۔ فرض عین کی صورت یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق ہر مسلمان مرد عورت دین سے واقف ہو مثلاً عقائد' فرائض وعبادات' روزمرہ کے معمولات' حرام وحلال جس سے روزانہ کی زندگی میں سابقہ پڑتا ہے یہ تو بلا امتیاز ہر مرد وعورت کو جاننا ضروری ہے اور فرض عین ہے۔ اب اس کی تفصیل وتشریح' احکام ومسائل کی تحقیق یہ ہر فرد کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا یہ فرض کفایہ ہے کہ ضرورت پیش آنے پر عالم سے فتویٰ حاصل کر سکتا ہے اور اگر کسی شہر میں کوئی بھی عالم نہ ہو تو سب گناہ گار ہوں گے ان کے ذمے فرض ہے کہ یا تو کسی کو عالم بنائیں یا کسی عالم کو لا کر شہر میں رکھیں۔ دوسری صورت فرض عین کی یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ ذاتی طور پر پیش آ جائے مثلاً کوئی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ کے احکام جاننا فرض عین ہوگا یا حج پر جانے والے کو احکام حج کا جاننا یا تاجر کو تجارت کے قواعد کا علم ہونا' نکاح کرنے پر نکاح اور طلاق کے مسائل سے واقفیت یہ فرض عین ہوگا اور آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ مسلمان اس فرض سے غافل ہو رہے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے تفسیر مظہری کی جلد چہارم میں یہ لکھا ہے کہ علم تصوف کا حصول بھی فرض عین ہے۔

(سورۃ التوبہ)

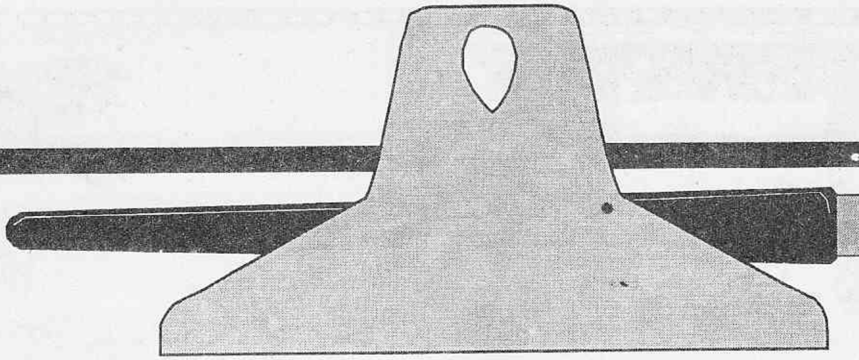

اداریہ

بدنصیب حکمران......!

وطن عزیز کے شہری اس وقت جس اذیت اور عذاب سے گزر رہے ہیں یہ ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ ملک خداداد کو نت نئے حادثات اور پیہم بحرانوں کا سامنا ہے۔ آٹا جو ہماری زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے' نایاب ہو چکا ہے۔ بجلی کے بحران سے نظام زندگی معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ مٹی کا تیل مارکیٹ سے غائب ہونے کے ساتھ ساتھ موم بتیوں کی قیمت میں گراں قدر اضافے کے بعد عوام الناس ''سرسوں کے تیل کے دیئے'' جلانے پر مجبور ہیں۔ مہنگائی کا طوفان ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ملیں' فیکٹریاں اور کارخانے بند ہو چکے ہیں جس کے باعث ان میں کام کرنے والے بے شمار ورکرز اور مزدور مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کے گھروں کے چولہے ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ عدل وانصاف کا کہیں نام ونشان نہیں اور امن نام کی چیز کسی کونے میں نظر نہیں آتی۔

آئے روز کے جان لیوا بحرانوں سے نمٹنے کے لئے حکومت کے پاس صرف ایک ہی آزمودہ نسخہ ہے جسے عرصہ دراز سے مسلسل آزمایا جا رہا ہے کہ کسی بھی بحران کی شدت کو کم کرنے کے لئے کوئی نیا بحران تلاش یا تخلیق کر لیا جاتا ہے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ اقتدار کی تمنائی تمام قوتیں عوام الناس کے قریب آنے ان کی حالت زار پر غور کرنے اور ان کے جذبات واحساسات کو سمجھنے کی بجائے بیرونی دنیا کو مطمئن کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ وطن عزیز کا ایک بہت بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ ملک کے حقیقی عوام کو اقتدار کے ایوانوں سے کوسوں دور رکھا گیا ہے۔ پورے سیاسی سسٹم کو ایک مخصوص طبقے نے یرغمال بنا رکھا ہے اور وہ ہر قیمت پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ملکی تاریخ میں جتنے فوجی حکمران گزرے ہیں ہزار خامیوں کے باوجود ان میں ایک مشترکہ خوبی یہ تھی کہ بہر حال بنیادی طور پر وہ عام آدمی تھے اور مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے لیکن جونہی وہ اقتدار پر قابض ہوئے متذکرہ بالا مخصوص طبقے کے افراد ہی نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور ان سے اپنی مرضی کے فیصلے صادر کراتے رہے۔ امیر محمد اکرم اعوان نے اپنے ایک حالیہ اخباری کالم میں لکھا ہے کہ ''دنیا کا ہر وہ حکمران بدنصیب ہوتا ہے جسے اچھے ساتھیوں کی ٹیم میسر نہ آئے' دوسرے لفظوں میں اچھی ٹیم چننے میں کامیاب نہ ہو سکے!

وطن عزیز کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ تلخ حقیقت بڑی واضح نظر آتی ہے کہ جمہوری دور کے منتخب حکمران ہوں یا فوجی آمر بہر حال اس لحاظ سے سارے بدنصیب رہے کہ انہیں اچھے ساتھیوں کی ٹیم نہ مل سکی اور اکثر نادان وزیروں مشیروں کے ہاتھوں انجام کو پہنچے۔ صدر پرویز مشرف اس لحاظ سے دوسروں سے کہیں زیادہ بدنصیب رہے معاشی ترقی کے لئے انہوں نے جس ٹیم کا انتخاب کیا وہ انہیں اعداد وشمار کے سبز باغ دکھاتی رہی لیکن عملاً حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب صدر پاکستانی عوام سے اس قدر دور چلے گئے ہیں کہ اگر عوام کی طرف پلٹنا بھی چاہیں تو شائد واپسی ممکن نہ ہو۔

وطن عزیز کو مسائل کی دلدل سے نکالنے اور عام آدمی کی زندگی میں بہتری لانے کے لئے اب ایک ایسے رہنما کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے جس کا ہاتھ عوام کی نبض پر ہو' جو نہ صرف یہ کہ عوامی مسائل کو سمجھتا ہو بلکہ ان کے حل کا واضح' ٹھوس اور قابل عمل حل بھی رکھتا ہو۔ پاکستانی عوام اب کافی بالغ نظر ہو چکے ہیں اس لئے توقع رکھنی چاہیے کہ جس دن کوئی حقیقی رہنما سامنے آیا تو لوگ اُس کی آواز پر لبیک کہنے میں دیر نہ کریں گے اور انشاء اللہ یہ وقت جلد آنے والا ہے۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گرد سفر
- نشان منزل
- کونسی ایسی بات ہوئی ہے
- سوچ سمندر
- متاع فقیر
- آس جزیرہ
- دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں، اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم، سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اک ذرہ خاک تھا میں دوش ہوا پر
تیراُ احسان کہ میں ارض حرم تک پہنچا

کیا خوب وہ لمحہ وہ گھڑی اور وہ موسم
جب نور رسالت میرے دیدہ نم تک پہنچا

گرداب معصیت میں گھرا میرا سفینہ
تیرے ہی کرم سے بحر کرم تک پہنچا

بے نور زمانہ تھا شب تار تھی ہر سو
گر کے انسان تھا پتھر کے صنم تک پہنچا

تیرا آنا شب تار کے جانے کی نوید
تو نے بانٹا تھا وہ نور جو ہم تک پہنچا

تیرے ہی وسیلے سے ملی ہم کو حیات
پیغام خداوندِ جہاں ہم تک پہنچا

واد ابر کرم تیرا کہ صحرائے عرب سے
ہے نور فشاں دیکھ عجم تک پہنچا

سیماب میں تاب تیرے نام سے آئی
ورنہ یہ ڈوب کے تھا بحر الم تک پہنچا

اقوالِ شیخ

☆...... بدعات میں مبتلا اور عملی زندگی سے بیگانہ لوگوں کی ولایت کا اعتبار درست نہیں۔

☆...... ولایت ایک بے کیف تعلق ہے جس کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں مگر اس کا اثر یہ ہے کہ بندے کی اپنی رائے اور پسند بلکہ اس کی ذات تک فنا ہو کر اطاعت باری کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

☆...... یوں تو اللہ کی سب مخلوق کو اس کی ذات سے ایک تعلق نصیب ہے مگر انسان کو اس کی شعوری معرفت کے باعث اس بے کیف رابطے کا جو درجہ نصیب ہوتا ہے وہ صرف اُسی کا حصہ ہے۔

☆...... یہ دولت جسے ولایت کہا گیا ہے مشائخ کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے جس میں دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں اول عقائد کی اصلاح اور دوم دل کی وہ کیفیت جو اطاعت الٰہی اور اتباع سنت پہ قائم کر دے۔

☆...... معجزہ ایسا کام، جس کی عقلی توجیہہ محال ہو مگر اس کے نتیجے میں لوگوں کو کفر سے نکال کہ اللہ سے واصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کرامت اسی کی فرع ہے جو نبی کے سچے اطاعت شعار کے ہاتھ پر صادق ہوتی ہے اور ہمیشہ لوگوں کو اللہ کی طرف لانے کا سبب بنتی ہے مگر جادو کے ذریعے یا شعبدہ بازی کے کمال سے لوگوں کو متاثر کرنے والے حق کی طرف نہیں بلاتے بلکہ اپنے آپ کو لوگوں پہ مسلط کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے طلب گار ہوتے ہیں۔

☆...... اگر کوئی بھی شخص قرآن کی خبر یا حکم کے بارے کسی مخمصے کا شکار ہو تو چھپا کر نہ رکھے بلکہ اہل علم سے جا کر تحقیق کر کے صحیح صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرے اور علماء کا فریضہ ہے کہ ایسے افراد کی مدد کریں اور انہیں شبہات کی دلدل سے نکالیں۔

عدل کے بغیر امن کا قیام ممکن نہیں

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

پاکستان کی تاریخ سانحات سے پُر ہے یہ وہ بدنصیب ملک ہے جس میں نہ عوام محفوظ ہیں، نہ ادارے، نہ حکمران، بلکہ صدر اور کئی وزراءاعظم اس کی نذر ہو چکے ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ کہ آدھا ملک ان ہی کی نذر ہو چکا ہے اور باقی کا آدھا خطرے میں ہے مشرقی پاکستان کی علیحدگی انسانی تاریخ کا اتنا بڑا سانحہ ہے کہ بہت کم قوموں کی زندگیوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں سالوں میں کہیں ایک آدھ بار ایسا سانحہ رونما ہوتا ہے۔

ہم نے اس سے بھی سبق نہیں سیکھا۔ بم بلاسٹ، خودکش حملے، فوج کشی، ریلوے، بجلی اور گیس کی تنصیبات پر حملے، اغوا برائے تاوان، ڈاکے، جعلی پولیس مقابلوں میں اموات، اب حالت یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ قومی سطح کے رہنماؤں کو انتخابی سرگرمیوں کیلئے بھی بھاری پولیس کی نفری بلکہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کہ وہ خود بھی محفوظ نہیں جنہوں نے قوم کی پرامن زندگی کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کا سانحہ اس کا واضح ثبوت ہے، ہم نے اس کے باوجود سنجیدگی سے اس ضمن میں کبھی کوئی قدم اٹھانیکی ضرورت محسوس نہیں کی ہمارے رہنما، ہمارے دانشور، ہمارے علماء، ہمارے حکمران، ہماری مسلح افواج کے اعلیٰ عہدیدار سب اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس بارے میں اپنی اپنی رائے کا صرف اظہار ہی فرماتے ہیں لیکن عملاً یہ سارا کام انہوں نے حکومت کیلئے چھوڑ رکھا ہے تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور یہ اس کی سب سے بڑی ضرورت بھی ۔فوج، پولیس، نیم فوجی دستے، عدالتیں اور دوسرے ادارے اسی مقصد کیلئے ہوتے ہیں پھر ہماری فوج اس وقت دنیا بھر کے 192 ممالک کی افواج میں ساتویں بڑی فوج ہے اس کے باوجود امن نہیں بلکہ انتشار ہی انتشار ہے جو روز افزوں ہے، ملک کا نظم ونسق بہت بُری حالت میں ہے رشوت اور اقربا پروری وباء کی صورت اختیار کر چکی ہے قومی دولت بُری طرح سے لوٹی جا رہی ہے اشیاءضروریہ خصوصی طور پر خوردنی اشیاء عوام کی پہنچ سے باہر ہیں آٹا، جیسی جنس جو ہر پاکستانی کی زندگی کی ایک لازمی ضرورت ہے خواہ وہ ساحل سمندر کا مچھیرا ہے یا انتہائی شمال کے پہاڑوں کا معمولی مزدور، وہ بھی ناپید ہے اور جہاں کہیں میسر ہے خاص طور پر ملک کے دور دراز علاقوں میں اس کی قیمت ۱۲۰۰ روپیہ من سے زائد تک پہنچ چکی ہے۔ ہم نے کیا اور کیسی آزادی حاصل کی ہے یعنی آزادی سے پہلے یہ اسی خطہ ارضی پر چار روپے من تھا اس کی وجہ گندم کی گذشتہ ساٹھ سالوں کے دوران دور دراز وسطی ریاستوں، انڈیا اور روس کو اسمگلنگ ہے جہاں اس کی قیمت دوگنی ہے پھر جب اس کی وجہ سے وطن عزیز میں یہ عوامی ضروریات سے کم پڑ جاتی ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کیلئے مہنگے داموں دوسرے ممالک کی ناقص گندم درآمد کی جاتی ہے اس طرح دونوں صورتوں میں کمیشن در کمیشن سے عوام پر اکثر وہ لوگ بوجھ ڈالتے رہتے ہیں جو عوامی زندگی میں اپنے آپ کو قوم کا سب سے بڑا ہمدرد بتاتے ہیں یہی حال چینی کا ہے صرف ان دو دھندوں میں اب تک قوم کا کھربوں روپوں کا سرمایہ بڑی بے دردی سے لوٹا جا چکا ہے اور لوٹا جا رہا ہے گاڑیوں خاص طور پر کاروں کو برآمد کرنے کی بجائے ان کی کل قومی پیداوار کو وطن عزیز کی سڑکوں پر لاد دیا گیا جس کی وجہ سے قوم کو دو بڑے مسائل ہی نہیں بلکہ دو بڑے عذابوں کا سامنا ہے جس میں سے ایک ٹریفک کا مسئلہ ہے دوسرا تیل کا خرچہ جو کھربوں روپوں کی شکل میں ان غریبوں کی گردنوں پر لادا گیا جنہیں ایک وقت کھرا کھانا بھی بڑی مشکل

سے نصیب ہوتا ہے شوکت عزیز صاحب وزیراعظم نے اس ضمن میں حد ہی کردی کہ اربوں روپے تیل کی سبسڈی میں دے ڈالے یہ سبسڈی آٹے پر دی جاتی، چینی پر دی جاتی، گھی پر دی جاتی عوام پر مہنگائی کا بوجھ پہلے ہی ان کی قوت برداشت سے باہر تھا اوپر سے یہ زیادتی نہیں بلکہ صریحاً ظلم ہے پی آئی اے خسارے میں چلی آرہی ہے اب ریلوے کا خسارہ بھی کنٹرول سے باہر ہے اسٹیل مل کا خسارہ بھی جوں کا توں قائم ہے صرف واپڈا کا خسارہ دوسوارب روپے ہے۔

جس کا کل بوجھ اسی غریب قوم کی گردن پر ہے یہ سب خسارہ کرپشن کی وجہ سے ہے جس میں حکمران ٹولہ اور اپوزیشن کسی نہ کسی صورت دونوں برابر کے شریک ہیں بلکہ کافی حد تک اسٹیبلشمنٹ بھی۔ مجھے میرے اکثر ہم وطن یہ کہتے ہیں کہ سیاسی حالات کے بارے میں لکھوں۔ سیاستدانوں کے بارے میں رائے دوں۔ انتخابات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں اس بارے میں بھی میری رائے سن لیجئے۔ یہی نظام سیاست اور یہی سیاستدان، یہی اسٹیبلشمنٹ اگر اسی طرح رواں رہے تو کسی طور کسی صورت حالات کبھی ٹھیک نہ ہوں گے کیونکہ نہ عدل کو یہ آنے دینگے نہ امن قائم ہوگا بلکہ میرے نزدیک جو آئین، قانون حکومت اسٹیبلشمنٹ اس صورتحال کو نہ روک سکے میں ان کا وجود بطور اداروں کے تسلیم کرنے کے قطعی طور پر حق میں نہیں۔ خودکش حملوں اور ملک کے بعض علاقوں میں بغاوت کی وجوہات بھی یہی ہیں اور مجھے یہ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں یہ کرپشن جسے سادا الفاظ میں لوٹ مار ہی کہوں گا جسے صرف اور صرف فعال نظام عدل ہی سے روکا جا سکتا ہے ورنہ بعض سیاستدانوں کا یہ دعویٰ کہ وہ ملک بچانے کیلئے سیاست میں آئے ہیں۔ میرے نزدیک درست نہیں بلکہ صریحاً دھوکہ بازی ہے۔ گذشتہ ساٹھ سالوں سے ان سے ہم یہ سنتے آئے ہیں وہ بھی ان سے حقیقت میں جن سے ملک کو اصل خطرہ ہے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی کے چیف آف اسٹاف کا عہدہ سنبھالتے ہی اس قبیلے کا پہلا شخص (آپ اسے اس کا ہراول دستہ کہہ لیجئے) ان کے پاس پہنچ گیا کہ اسے فلاں پارٹی کا سینٹ کیلئے ٹکٹ دلوا دیں۔ میں ان کی یہ اچھائی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اسے ٹکا جواب دے دیا یہ کہہ کر کہ میں صرف پیشہ ور سپاہی ہوں۔ سیاست سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ دراصل اس سیاستدان کے یہ حقیقت علم میں تھی کہ اس سے پہلے اسی سپاہی کی وردی میں کئی سویلین بھی رہ چکے ہیں اور یہ کہ ان سپاہی نما سویلین لوگوں میں اور ہمارے سیاستدانوں میں کوئی فرق نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ آج امریکی صدارتی امیدواروں میں بعض امیدوار بعض ان کے دانشور محض تھنک ٹینک اور بعض سیاست دان بھی یہ کھلے عام کہتے پھر رہے ہیں کہ امریکہ کو برطانیہ کے ساتھ مل کر پاکستان میں فوج داخل کر دینی چاہیے۔

ظاہر ہے ایٹمی اسلحہ پر قبضہ کیلئے جو ہماری حفاظت کیا کرے گا الٹا ہمیں اس کی حفاظت کرنی مشکل ہوتی جارہی ہے جب کہ بعض ہم ... ن تو بڑے وثوق سے یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی دبے الفاظ ہیں کہ امریکہ پہلے ہی ان پر قبضہ کر چکا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ پاکستان میں عراق جیسے حالات پیدا ہونے کے امکانات بڑھ چکے ہیں کیا یہ حکومت کی نااہلی نہیں۔ کیا یہ سیاست دانوں کی نااہلی نہیں؟ ورنہ پاکستان کے علاوہ (اگر عراق اور افغانستان کو شمار نہ بھی کیا جائے تو بھی) ۱۸۹ ممالک اور بھی ہیں ان میں سے کتنے ممالک کو معمولی امریکی عہدیدار اس طرح کی دھمکیاں اور احکامات دیتے ہیں؟..........لیکن ایسا کیوں نہیں ہوگا۔ خاص طور پر جب ہمارے قومی سطح کے اکثر سیاستدان معمولی معمولی مفادات کیلئے اور اقتدار کے حصول کیلئے جی ایچ کیو جا جا کر بھیک مانگتے رہیں گے اور جب اسی قماش کے بعض دوسرے غیر ممالک کے سفارتخانوں میں جا جا کر اقتدار اور معمولی معمولی مراعات کی بھیک مانگیں گے تو یہ کچھ تو ہوگا قوم کو چاہیے کہ ہوش سے کام لے ان کے بچھائے جالوں میں نہ آئے بلکہ ان سے پوچھے کیا پاکستان قائداعظم نے امریکیوں کی مدد سے حاصل کیا تھا جس کی حفاظت کیلئے انہیں ان کی ضرورت ہے یا جی ایچ کیو کی مدد سے! جن مسائل کا میں نے اوپر ذکر کیا یہ کوئی نئی بات نہیں یہ تمام محب وطن پاکستانیوں کے علم میں ہیں۔ میں نے

اس لئے چھیڑا ہے کہ عدل نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا قانون اور ہمارا آئین حکمرانوں اور امراء کے غلام ہیں جب کہ یہی قانون غریب اور بے بس لوگوں کیلئے خونخوار بھیڑیا ہے اور آئین کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں اور یہاں آئین ہے' قانون ہے' فوج ہے' نیم فوجی دستے ہیں' پولیس ہے' عدالتیں ہیں......

وہ بھی کئی قسم کی یعنی دیوانی' فوجداری' فوجی' دہشت گردی کی' منشیات کی' بنکنگ کی' ہائی کورٹ ہیں' سپریم کورٹ ہے' وفاقی شرعی عدالت ہے اور نہ ہی ہمارے ملک میں ماہرین قانون کی کمی ہے اس کے باوجود نہ شریعت کی خلاف ورزی میں کمی آئی ہے نہ منشیات کی اسمگلنگ میں۔ مجرم دندناتے پھرتے ہیں۔ امن دشمن نہ صرف آزاد ہیں بلکہ ان کی ملک میں بڑی اہمیت ہے۔ بنکنگ سیکٹر کو بڑی بے دردی سے لوٹا گیا۔ بلکہ اسے لوٹنے والے حکمرانوں میں شامل رہے اور ہیں! ہماری ایجنسیوں پر اربوں روپیہ صرف ہوا ہے پھر انہی عوام غریب عوام کا۔ الٹا ان سے وطن عزیز کا محبّ وطن طبقہ خوفزدہ ہے۔ صدر محترم نے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج صاحبان کے ساتھ جو کچھ کیا اور جس طرح ان کے اس سراسر مبنی برظلم اقدام کی بعض سیاستدان بڑے فن کارانہ طریقے سے حمایت میں مصروف ہیں اور بعض اس اقدام کے بھیانک نتائج پر الفاظ کی پردہ پوشی سے کام لے رہے ہیں وہ بہت ہی افسوس ناک ہے اور خطرے کی گھنٹی ہے اسلحے کے زور پر نظریات کو کبھی بھی نہیں کچلا جا سکا تو اب ایسے کس طرح ممکن ہوگا۔ دنیا کا ہر وہ حکمران بدنصیب ہوتا ہے جسے اچھے ساتھیوں کی ٹیم میسر نہ آئے دوسرے لفظوں میں اچھی ٹیم چننے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

صدر پاکستان کا یہ حالیہ بیان بھی حیران کن ہے کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری انہیں غیر قانونی طور پر صدارت سے محروم کرنے والے تھے۔ یہ ''غیر قانونی'' کا الزام بھی خاصہ مضحکہ خیز ہے احباب بتاتے ہیں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک جج تھے جسٹس شبیر۔ وطن عزیز کے نظام عدل میں بڑا قد کاٹھ تھا ان کا۔ یہ ایوبی دور تھا اور فوجی حکومت کے باوجود عدلیہ کا وقار کافی حد تک محفوظ تھا۔ بلکہ انہوں نے کسی کیس کے سلسلہ میں زون (بی) (مغربی پاکستان) کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو عدالت میں طلب کر لیا اور یہ صاحب عدالت میں حاضر ہوئے بھی۔ لاہور ہی میں جسٹس شبیر کسی فلیگ کے بغیر گاڑی میں جا رہے تھے جج صاحب ریگل چوک مال روڈ سے ہال روڈ کی طرف مڑے ہی تھے کہ ڈیوٹی پر موجود ٹریفک پولیس کانسٹیبل نے آپ کو روک کر گاڑی کے کاغذات طلب کئے' جج صاحب کے پوچھنے پر کہ ان سے کون سی قانون کی خلاف ورزی ہوئی۔ کانسٹیبل نے جواب دینے کی بجائے اپنا تقاضہ دہرایا۔ آپ گاڑی سے باہر نکلے ہی تھے کہ پچاس ساٹھ لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ جج صاحب کے دوبارہ پوچھنے پر کانسٹیبل انہیں جواب دینے کی بجائے مجمع کی طرف متوجہ ہوا اور کہا (اسے علم نہیں تھا یہ کون تھا) ''ویکھیا جے اے باؤ مینوں قنون پڑھاندا اے'' دیکھا آپ لوگوں نے یہ بابو مجھے قانون پڑھاتا ہے۔ اتنے میں ایک سارجنٹ کا پاس سے گزر ہوا' جج صاحب کو مجمع میں اس طرح دیکھ کر وہ ٹھٹکا گیا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک طرف چھوڑ دی اور پولیس سپاہی کو تھپڑ دے مارا اور کہا ''اوئے احمق یہ جسٹس شبیر صاحب ہیں جج ویسٹ پاکستان ہائی کورٹ'' سپاہی فوراً ان کے قدموں میں گر پڑا۔ جج صاحب نے سارجنٹ سے کہا'' اسے مارو مت۔ اس سے صرف یہ پوچھو میں نے کون سے ٹریفک قاعدے کی خلاف ورزی کی''

صدر پاکستان کو کاش علم ہوتا کہ نظام عدل کسی ریاست یا معاشرے کیلئے کتنا ناگزیر ہوتا ہے مجھے حیرت ہوتی ہے یہ سوچ کر ہی کہ جن جن لوگوں کی وجہ سے ہمارا امن تباہ ہوا وہ سارے اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ وہ تو ملک کی بہتری کیلئے یہ سب کر رہے ہیں۔

قرآن کریم میں رب العالمین فرماتے ہیں۔

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں''۔

بشکریہ ''روزنامہ پاکستان''

..........☆☆☆..........

اکرم التفاسیر

سے اقتباس.......

امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 07-12-2007

الحمدللہ رب العلمینo

والصلٰوۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّالہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

ولا یحسبن الذین یبخلون بمآ اتٰھُم اللہ من فضلہٖ ھو خیرًا لھم بل ھو شرٌ لھمo سیطوقون مابخلوا بہٖ یوم القیمٰتہ وللہ میراث السمٰوٰت والارض ط واللہ بما تعلمون خبیرo لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیرٌ ونحن اغنیآءُ سنکتبُ ما قالوا وقتلھُم الانبیآء بغیر حق ونقول ذوقوا عذاب الحریقo ذلک بما قدمت ایدیکُم واَن اللہ لیس بظلامٍ للعبیدo

سورۃ آل عمران ۱۸۰ تا ۱۸۲

اللھُم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبداً
عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زانت بِہِ الْعُصُروا

تفسیر: ان آیات میں انسانی مزاج کی بات ہو رہی ہے یہی مضمون پچھلی آیات میں بھی تھا کہ جو لوگ تعلیمات نبوت سے اعراض کرتے ہیں یا عمل نہیں کرتے تو اس کا بڑا سبب بخل ہے۔

اللہ کریم انبیاء کرام کو تمام علوم سے بہرہ ور فرما کر اور علوم کے خزانے عطا فرما کر مبعوث فرماتے ہیں اور لوگ علوم غیبیہ میں ایمانیات وعقائد آخرت، ملائکہ، ذات باری وصفات باری کے جاننے میں انبیاء کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں جاننا ان حقائق سے آگاہ ہونا انسانی ضرورت ہے لیکن جو لوگ انبیاء کی تعلیمات سے اعراض کرتے ہیں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مادی دنیا کی نعمتوں پر اس طرح ریجھ جاتے ہیں کہ مادی خواہشات کی تکمیل اور دنیاوی لذات میں کھو جاتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دولت دنیا کو اس طرح جمع کر لیں کہ دوسرے تک نہ پہنچنے پائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کو خود تک روک لینا زندگی کے تسلسل کو روکنے کے مترادف ہے اور یہ ایسی حرکت ہے کہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔

کائنات کے نظام پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کا اصول کچھ آگے دینے پر ہے درخت کو دیکھ لیں اسکی جڑ غذا حاصل کرتی ہے اب اگر جڑ ہی غذا کو روک لے آگے ترسیل نہ کرے جڑ ہی پھولتی رہے تو درخت کے باقی حصوں کو غذا کہاں سے ملے گی۔

سورج کی کرنیں حیات آفرین ہیں لیکن اگر کوئی چاہے کہ سورج کی کرنوں کو پابند کر لے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ بعض جگہ بڑے گھنے سایہ دار درخت ہوتے ہیں لیکن ان کے نیچے زمین میں روئیدگی نہیں ہوتی کیوں؟ اس لئے کہ سورج کی حیات آفرینی ان تک نہیں پہنچ پاتی اسی

طرح بادل میں نمی ہے اگر بادل اسے روک لے تو دنیا پر مخلوق پیاسی رہ جائے لیکن قدرت کا نظام اللہ نے یہی بنایا ہے کہ بادل پانی برسائے' ہوائیں نمی پہنچائیں' کرنیں تمازت اور روشنی آگے پہنچائیں۔ انسانی وجود میں بھی ایسا ہی نظام رواں دواں ہے دل سے خون بدن کے ہر حصے تک پہنچتا ہے جلد کے حصے میں علیحدہ آتا ہے ہڈی کے گودے تک اس کا حصہ پہنچتا ہے لیکن اگر کسی مقام پر اسے روک لیا جائے تو وہی عضو بیکار ہو جائے گا یوں ہی زندگی کے وسائل ہیں انکی روانی کو روکنا زیادتی ہے اگر معاشی مثال ہی لی جائے اور ایک شخص یہ چاہے کہ وہ تمام اجناس کا ذخیرہ کرلے اور پھر لوگ مجبوراً مہنگے داموں خریدیں تو اس شخص نے اپنے اس فعل سے کتنی انسانی جانوں کو مشکلات کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا یا سیاسی طور پر ایک شخص اپنے اقتدار کو طول دے کر خود ہی ہمیشہ کے لئے اقتدار میں رہنا چاہے تو وہ ایک شخص پورے ملک کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیتا ہے اس کے اس فعل کے نتیجے میں ملک فسادات کی لپیٹ میں آجاتا ہے' دہشت گردی پروان چڑھتی ہے عوام احتجاج کرتے ہیں پولیس اور حکومتی اہل کاران پر تشدد کرتے ہیں اور یوں وہ ایک شخص تمام ہلاکتوں کا ذمہ دار بنتا ہے۔ یہی بات ان آیات مبارکہ میں بیان ہو رہی ہے کہ کوئی بھی شخص کہیں بھی ناروا طریقے پر دنیوی اقتدار واختیار یا مال دولت کو جہاں بھی مخلوق خدا تک پہنچنے سے روکتا ہے وہیں وہ فساد اور تباہی پھیلاتا ہے۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ اللہ نے اپنی مہربانی سے جو نعمتیں انسانوں کے لئے رکھی ہیں انہیں کوئی شخص دوسروں سے روکنا چاہتا ہے تو وہ بخل کرتا ہے۔ بخل یہ ہے کہ سب کچھ اپنے لئے جمع کیا جائے اور دوسروں تک اُن کا حق پہنچنے میں رکاوٹ ڈالی جائے اس کا سبب دنیا کا لالچ ہے اور یہ نتیجہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کا' انبیاء کرام کی تعلیمات و برکات سے محروم انسان ظاہر داری کر لیتا ہے باطن میں کھرا نہیں ہوتا اس لئے اس کے کردار میں معاملات ولین دین میں بخل کارفرما رہتا ہے۔ یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ لوگوں کو نمازیں پڑھنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی' حج میں شہرت کا پہلو بھی ہے' لوگ شوقیہ بھی حج کرتے ہیں لیکن جب باری آتی ہے معاملات کی کسی عہدے' اختیار و اقتدار کو ان تک پہنچایا جائے جو اس کے اہل ہیں یا دولت دنیا کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ مستحقین تک اُن کا حق پہنچے' علاج معالجے کی سہولتیں اس طرح بانٹی جائیں کہ ہر مستحق تک اس کا حق پہنچے تعلیم کو اس طرح عام کیا جائے کہ غریب ترین آدمی کے بچے تک اسکی رسائی ہو تو یہاں آکر بخل کے باعث وہی نمازی اور حاجی رکاوٹ ڈالتے ہیں نتیجتاً امراء کے بچوں کے لئے اعلیٰ سکول بنتے ہیں اور غرباء کے بچے دھوپ میں بیٹھتے ہیں انہیں یا تو استاد نہیں ملتا یا کتاب میسر نہیں آتی۔ علاج معالجے کے لئے غریب دربدر دھکے کھاتا ہے اور امیروں کا علاج غیر ممالک میں سرکاری خرچ پر ہوتا ہے اس طرح تمام وسائل زندگی کو ایک خاص طبقے کے لئے ایک فرد کے لئے مختص کر دیا جائے تو نظام میں ابتری آنے لگتی ہے فساد پیدا ہو جاتا ہے اور پورے انسانی معاشرے کی زندگی متاثر ہوتی ہے تو یہاں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ تم جس طرح دنیا کے لالچ میں آکر اللہ کی پیدا کردہ نعمتوں کو جو امانتاً تمہاری رسائی میں ہیں انہیں دوسروں تک نہیں پہنچا رہے تو اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھو۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے بڑی دولت جمع کر لی' بڑی لمبی مدت تک حکومت کر لی اور بڑے خزانے جمع کر لئے یہ اچھا نہیں ہے بلکہ بل ھو شرٌ لھم تم اپنے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کر رہے ہو۔ دوسروں کے حقوق روک کر' دنیا کو دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر کے اور انسانی زندگیاں ضائع کر کے اپنے لئے بہت برا کر رہے ہو کیونکہ ایک وقت آئے گا

جب تمہیں بھی ایک اعلیٰ ترین عدالت میں اس کا جواب دینا پڑے گا جہاں انصاف ہوگا زیادتی نہیں ہوگی بارگاہ الوہیت میں کھڑے ہوکر ان سب لوگوں کے حقوق ادا کرنے پڑیں گے جب اس وقت تمہارے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوگا پھر کیا نتیجہ ہوگا؟ عدل ہوگا۔ لوٹنے والے پر لٹنے والے کے گناہ بھی لاد دیے جائیں گے اور اس کے علاوہ ظالم کو اللہ کریم اپنی مخلوق پر ظلم کرنے کی سزا اپنی مرضی سے دیں گے یہ ان کی پسند ہے کہ وہ اسے کیا سزا دیتے ہیں۔ سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمتہ ○ میدان حشر میں جب لوگ جمع ہوں گے تو جس شخص نے لوگوں کے حقوق روک کر بخل کر کے زیادتی کر کے دولت جمع کی ہوگی دنیاوی وسائل کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کی ہوگی اقتدار و اختیار روک کر رکھا ہوگا تو وہ اس حال میں لوگوں کے سامنے آئے گا کہ بڑے بڑے ہیبت ناک طوق اس کے گلے میں پڑے ہوں گے' اور ان کا کردار ایک جسم کی صورت اختیار کرلے گا اور اس کے اعمال بڑے بڑے طوق بن جائیں گے جو بخیل کے گلے میں پڑے ہوں گے وللہ میراث السموٰت والارض اور حق یہ ہے کہ زمین و آسمان کی ریاست اللہ کی ہے' وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اگر اس نے وقتی طور پر کوئی قطعہ زمین کسی زمیندار کی ملکیت میں دے دیا تو یہ بندے کے پاس اللہ کی امانت ہے اسے اللہ نے عارضی ملکیت دی ہے اب اس عارضی ملکیت رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ اس زمین پر بسنے والوں کے حقوق نہ چھینے اگر مالک کا ایک صوبہ کسی چیف منسٹر کے زیر اقتدار آ گیا ہے تو وہ وہاں کے لوگوں کے حقوق ادا کرے اس لئے کہ بالآخر سب ملکیت اللہ کے لئے ہے۔ زمین نہ بادشاہ کی ہے نہ زمیندار کی' نہ غریب وفقیر کی ہے نہ امیر کی یہ سب چند دن مہلت دنیا میں امانت ہے۔ علوم دین و دنیا میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہر جاننے والے کا فرض ہے کہ اسے پھیلائے لیکن صاحب علم اس لئے دوسروں کو نہیں سکھاتے کہ اس طرح ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی طب کے شعبے میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ہمارے ہاں اطباء نے ایسی ادویہ بنائیں کہ جن کی تاثیر کا مقابلہ مغرب آج بھی نہیں کرسکتا لیکن انہوں نے ان ادویہ کے نسخے آگے تقسیم نہیں فرمائے وہ علم آگے تقسیم نہیں کیا اور وہ علم حکیم صاحب کے ساتھ ہی دنیا سے ناپید ہو گیا لیکن انہوں نے اپنی اجارہ داری قائم رکھی حالانکہ علم اللہ کا دیا ہوا تھا مخلوق کا حق تھا ہر بیمار' مریض اور ضرورت مند کا حق تھا انہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے شاگروں کو سکھاتے طالب علموں کو پڑھاتے ان نسخوں کو عام کرتے لیکن ان کی اجارہ داری کا شوق قائم رکھنے کے باعث علم کا خزانہ ضائع ہو گیا سو کاروبار حیات کے تمام علوم خواہ وہ سائنس سے متعلقہ علوم ہوں یا معیشت کے' علوم ابدان ہوں یا علوم ادیان' ضروریات دنیا کے علوم ہوں یا اخروی حیات کے غرض کسی بھی شعبے کے علوم ہوں یہ کسی جاننے والے کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کے لئے ہے' اسے اللہ کی مخلوق کے لئے عام کرنا چاہیے۔ اور جو لوگ روک لیتے ہیں ان کا یہی لالچ دین و دنیا سے محرومی کا سبب بنتا ہے' اور یہ لوگ انبیاء کی بات اسی لئے نہیں مانتے کہ انبیاء تعلیم ہی یہی دیتے ہیں کہ دوسروں کے وسائل مت روکو تو فرمایا جارہا ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے یہ نہ سمجھو کہ فلاں نے بڑی دولت جمع کر لی لوگوں کے حقوق چھین کر بہت بڑا آدمی بن گیا اور اس نے بڑی کامیاب زندگی گزاری بلکہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہر ہر آدمی کا حق ایک الگ طوق بنا ہوا ہوگا۔ ایک زمیندار نے مزارعوں کے حقوق چھینے تو اس کے گلے میں دس پندرہ طوق ہونگے کسی نے صوبے کے حقوق چھینے تو کسی نے پورے ملک کی آبادی کے حقوق چھینے اگر ملک کی آبادی سولہ کروڑ ہے تو اتنے ہی طوق اس ایک کے گلے میں ہونگے بلکہ سولہ کروڑ سے کئی گنا زیادہ

ہوں گے اس لئے کہ ایک شہری کا ایک حق نہیں کئی حقوق اس نے غصب کئے تھے اس کی آزادی سلب کی اس کی روزی کے وسائل روکے اس کو علم سے بہرہ ور نہ ہونے دیا علاج معالجے سے اسے محروم رکھا یوں اگر ایک آدمی کے پچاس حقوق اس نے ضائع کئے تو سولہ کروڑ کو پچاس سے ضرب دو تو اتنے طوق اس ایک حکمران کی گردن میں ہوں گے۔

حدیث شریف میں ملتا ہے کہ بعض کفار کا ایک دانت اُحد پہاڑ جتنا بڑا ہوگا اس کی تشریح میں محدثین کرام لکھتے ہیں کہ عام آدمی کو اشکال ہوتا ہے کہ ایک دانت اتنا بڑا ہوگا تو اس کا وجود کتنا بڑا ہوگا لیکن اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جس بندے کے جتنے مظالم ہوں گے جتنے طوق اسکے گلے میں پڑنے ہوں گے اس کا گلا بھی قدرت اسی حساب سے بڑا کر دے گی کہ جتنا بڑا وجود ہوگا اتنی بڑی تکلیف بھی ہوں گی اور اتنے ہی بڑے دکھ بھی ہوں گے تو فرمایا تم بخل کر کے اچھا نہیں کر رہے اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے بلکہ جو ایسا کرتا ہے وہ اس کے لئے انتہائی بُرا ہے کہ میدان حشر میں پرسش اعمال کے وقت ہی وہ اس حال میں لایا جائے گا اور حساب کتاب سے پہلے ہی اس کی حاضری بتا دے گی کہ بہت بڑا مجرم لایا جا رہا ہے دنیا نے تو چنگیز خان کو بڑا ہیرو سمجھا فرعون کے بارے بھی سمجھا کہ اس نے دنیا بڑی عیش میں گزاری لیکن میدان حشر میں ہر ظالم جابر پہاڑ جتنا ہو کر بے شمار سزا دینے والے طوق گلے میں ڈالے حاضر ہوگا اور حساب سے پہلے ہی اس کی آمد بتا رہی ہوگی کہ یہ کتنا بڑا مجرم ہے۔

وللہ میراث السموٰت والارض اللہ پاک فرماتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کا ہے جس طرح تم زمین و آسمان کی ریاست میں نہ مداخلت کر سکتے ہو نہ زمین و آسمان کی دولت پر قبضہ کر سکتے ہو اسی طرح زمین پر تمہارا اقتدار و اختیار وقتی ہے بیت جانے والا ہے آزمائش ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ **واللہ بما تعملون خبیر** ۔ اللہ ہر حال میں باخبر ہے جتنا ظلم تم کر رہے ہو جتنی حکم عدولی اور قانون شکنی تم کر رہے ہو یہ سب کچھ اللہ کریم خود ملاحظہ فرما رہا ہے دیکھ رہا ہے سن رہا ہے جان رہا ہے اس کی حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک شخص جرم کرتا ہے اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی ہے۔ وہ عدالت جاتا ہے اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص سے واقعی جرم ہوا تھا لیکن اگر کوئی شخص جرم کرے ہی عدالت کے روبرو تو فرمایا جس عدالت میں تمہیں بالآخر پیش ہونا ہے وہی ہستی تمہیں اس وقت بھی دیکھ رہی ہے اور یہ حرکت تم اللہ جل شانہ کے روبرو کر رہے ہو۔

لقد سمع اللّٰہُ قول الذین قالوا ان اللّٰہ فقیر ٌ ونحنُ اغنیآء ُ جہاد میں شمولیت کے لئے مجاہدین کی تیاری کے لئے جب لوگوں میں اعلان فرمایا کہ حسب توفیق مالی معاونت کریں اپنا حصہ ڈال کر سعادت حاصل کریں تو ناقدین کہنے لگے کہ ہم تو دولت مند و غنی ہیں لیکن لگتا ہے اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اللہ کے پاس کچھ نہیں رہا کہ اللہ کے کام کیلئے ہمیں چندے دینے پڑتے ہیں۔

فرمایا سمع اللہ اللہ سن رہا ہے اللہ نے یہ بات سن لی ہے کہ اللہ تہی دامن ہو گیا ہے **ونحن اغنیآء** ہم دولت مند ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی ضرورت آپڑی ہے۔

سنکتب ماقالوا ۔ جو یہ کہہ رہے ہیں وہ لکھا جا رہا ہے اور ان کا یہ کہنا کوئی بڑی بات نہیں اللہ کی شان ہر تعریف اور ہر بُرے قول سے بلند ہے ان کا یہ قول ان ہی کی پستی فکر و عمل کی دلیل ہے۔ **وقتلھم الانبیآء بغیر حق** ۔ انہوں نے تو کتنے ہی انبیاء کو ناحق قتل کیا یعنی یہ خود جانتے تھے کہ یہ قتل ناحق ہے اس کے باوجود اللہ کے نبیوں کے قتل کے مرتکب ہوئے یہ ان کے باطن کو ظاہر کرتا ہے کہ جس کام کو غلط

سمجھتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں اور غلط کاری کے باوجود گستاخی کرتے ہیں۔

اللہ کریم کی شان نہایت بلند ہے اسے کسی کے مال کی احتیاج نہیں سب مال خود اس کا پیدا کردہ ہے اور بندوں کو اسی نے عطا کر رکھا ہے دین کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب بندے کو اس لئے دی جاتی ہے کہ بندے کے پاس اللہ ہی کا مال ہے اور اللہ نے اس مال میں ضرورت مندوں کا حق رکھا ہے۔ بندے کا کسی پر احسان نہیں مال اس کا ہے مخلوق اسکی ہے اگر ہم عارضی ملکیت رکھتے ہیں تو یہ آزمائش ہے اگر ہم ضرورت مند تک اس کا حق نہیں پہنچاتے تو جس کا حق ہمارے مال میں ہے اتنا مال ہم سے نکل جاتا ہے کسی مقدمے میں پھنس جاتے ہیں وہاں خرچ کر آتے ہیں کسی بیماری کی نذر ہو جاتا ہے تو مال تو اللہ کا تھا اس کے حکم کے مطابق اسکی مخلوق تک نہیں پہنچایا تو پھر وہ دوسرے طریقے سے لے لیتا ہے اللہ چندے لینے نہیں آتا مشکل طریقوں سے نکلواتا ہے۔ ضرورت مندوں کو دینے کے بجائے بیماری کاٹتا ہے اور بالآخر تہی دست ہو جاتا ہے اور بیماری پھر بھی سہنی پڑتی ہے تو کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ جب اللہ کریم ترغیب دیتے ہیں کہ میرے دیئے ہوئے مال میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کرو کہ مال میرا ہے میں نے تمہیں آزمانے کے لئے چند دوسروں کے حقوق تمہارے پاس جمع کر دیئے ہیں ان تک اُن کے حقوق پہنچا دو اور بندہ پہنچا دے تو وہ دونوں جہانوں میں فائدے میں رہے گا اور جو اللہ کے دیئے ہوئے مال اور علم دونوں سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے وہ سخت خسارے میں ہیں۔ آج کل کے بعض طبیب اور ڈاکٹر اسی کام میں لگے ہوئے ہیں علاج کی طرف توجہ دینے کے بجائے مریض کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش میں رہتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ بیماری زیادہ بھی ہوتی تو طبیب حوصلہ دیتے دوا دیتے اور حوصلہ بڑھاتے تھے آج کل بیماری تھوڑی بھی ہو تو طبیب جان بوجھ کر مریض کو بڑھا کر بتاتے ہیں جو مریض دوا کھانے سے ٹھیک ہو سکتا ہے اس کے لئے آپریشن تجویز کرتے ہیں بے شمار ٹیسٹ کرواتے ہیں تاکہ مریض سے زیادہ سے زیادہ فیس وصول کی جا سکے۔ یہ سب بخل کی وہ صورتیں ہیں جن سے اللہ کریم منع فرما رہے ہیں۔

رہا بیہودہ بے بہودگا یہ گستاخانہ مقولہ تو فرمایا اللہ کریم سن بھی رہے ہیں دیکھ بھی رہے ہیں اور فرشتے جو لکھنے پر مقرر ہیں وہ ہر لمحے کا ایک ایک جملہ لکھ بھی رہے ہیں لیکن ان کو کیا جنہوں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو ظلماً شہید کر دیا انہیں ایسے جملے کہنے کا احساس ہی تب ہوگا جب جوابدہی کی باری آئے گی اور جب اللہ کی بارگاہ سے یہ ارشاد ہوگا و نقول **ذوقوا عذاب الحریق** جاؤ اور دوزخ میں جلنے تڑپنے کا عذاب چکھو۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ عظمت اختیار اور اقتدار کس کے پاس ہے؟ مجبور و بے بس کون ہے؟ فقیر و تہی دست کون ہے؟ اور غنی کون ہے؟

فرمایا اللہ اپنی مخلوق کو عذاب دے کر خوش نہیں ہے بلکہ **ذٰلک بما قدمت ایدیکم**. اللہ تو دنیا میں اپنی آیات میں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ بندے دنیا میں ہی سنبھل جائیں اور جان لیں کہ جو کچھ عذاب انہیں پیش آنا ہے وہ اُن کے اپنے ہاتھوں کیے گئے کاموں کا نتیجہ ہے دار دنیا میں جس طرح کا کردار اپنایا تھا اعمال بد کے ذریعے جو آگے بھیجا تھا وہی نتیجہ دیکھو گے وان اللہ لیس بظلام للعبید' اللہ کریم کسی بندے پر رائی برابر زیادتی کرنے والے نہیں۔ یہاں لفظ عبید استعمال فرما کر بندے کی حیثیت کی تعیین کی گئی ہے کہ بندے کی اللہ کریم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ چیونٹی بھی ایک مخلوق ہے اور ہم بھی اللہ کی مخلوق' چیونٹی حقیر مخلوق ہے لیکن مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اللہ کے محتاج ہیں لیکن اگر

چیونٹی پاؤں پر کاٹ لے تو ہم بندوق لینے نہیں بھاگتے بلکہ پھونک مار کر اڑا دیتے ہیں اور اسکے ساتھ ہماری دشمنی بھی نہیں ہوتی ہم اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ اس کی اس بات کو دہرائیں حالانکہ ہم بھی مخلوق ہیں اور وہ چیونٹی بھی مخلوق ہے۔تو اللہ کی ذات بابرکات تو خالق ہے اور خالق کا مخلوق کے ساتھ کیا مقابلہ اس کے ساتھ مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا یہ اسکی شان سے بعید ہے۔نہ اللہ مخلوق سے مقابلہ بنائے بیٹھا ہے نہ وہ مخلوق کو سزا دے کر خوش ہے یہ تو مخلوق کا اپنا فیصلہ ہے اپنی کارکردگی ہے ان ھدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً اللہ نے تو عقل وشعور دیا توفیق عمل دی انبیاء مبعوث فرمائے اپنی کتابیں بھیجیں اور نیکی کو واضح اور روشن کر دیا اور بُرائی کو چھانٹ کر بتا دیا کہ یہ بُرائی ہے پھر بھی کوئی اپنے فیصلے سے بُرائی اختیار کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی اس کے فیصلے کا مرہون منت ہے جو زہر کھائے گا مرنا بھی اسے ہی پڑے گا۔ایسے گستاخانہ جملے کہہ کر اس عذاب کی تیاری دنیا ہی میں کرتے ہو جس میں جا گرو گے۔فرمایا ذوقوا عذاب الحریق ہم انہیں جہنم میں پھینک کر بتائیں گے کہ یہی وہی آگ ہے جو تم نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعے خود ہی بھڑکائی۔

نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اس میں باغ لگانا' مکان بنانا' نہریں بنانا اپنے لئے رہائش گاہ بنانا بندے کے ذمے ہے اپنے عقائد واعمال کے ذریعے ہر کوئی خود بناتا رہتا ہے اور اسی طرح دوزخ کی سزائیں بھی بندے کے اپنے کردار کے باعث تیار ہوتی ہیں جو جتنی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے جتنے اللہ کی مخلوق کے حقوق چھینتا ہے اتنی اتنی سزائیں اپنے لئے اکٹھی کرتا ہے تو وہاں فرمایا جائے گا ذلک بما قدمت ایدیکم یہ سزائیں جو تم بھگت رہے ہو یہ تم نے اپنے کردار کے باعث اپنے لئے خود تعمیر کیں۔وان اللہ لیس بظلام للعبید۔بندے کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ اللہ اس سے زیادتی کرے نہ یہ اللہ کو زیب دیتا ہے کسی بھی کمزور پر زیادتی اللہ کی شان کے خلاف ہے اور اللہ کے سامنے ہر شئے کمزور ہے اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے یہ تم نے اپنے ساتھ خود کیا ہے۔اللہ کریم گناہ معاف فرمائے نیکی کی توفیق عطا فرمائے ایمان پر زندہ رکھے ایمان پر موت نصیب فرمائے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر فرمائے۔آمین

نظم

ہے شریعت ظاہری اعمال اپنانے کا نام
ہے طریقت قلب اطہرﷺ سے جلا پانے کا نام
سب تعلق غیر کے تُو اپنے دل سے دے نکال
ہے عبادت ماسوا سے تیرے کٹ جانے کا نام
بندہء بے دام ہے محبوب کے در کا اسیر
ہے محبت وادیء اُلفت میں کھو جانے کا نام
جو کرے ایمان کا دعویٰ وہ عمل سے دے ثبوت
ہے ولایت ظلمتوں سے نور میں آنے کا نام
ظاہری آنکھوں پہ تم ہرگز نہ کرنا اعتبار
ہے بصیرت قلبِ بینا کام میں لانے کا نام
جو بھی ہمت ہار بیٹھا جان لو پسپا ہوا
ہے ہزیمت حوصلوں کے ماند پڑ جانے کا نام
جو ہے جمہوری تماشا اہل مغرب کی ہے چال
ہے سیاست بات کر کے پھر مکر جانے کا نام
نام جس کا بُوالحکم تھا دراصل بُوجہل تھا
ہے جہالت جہل کی باتوں پہ اڑ جانے کا نام

☆ ....انجینئر عبدالرزاق اویسی، ٹوبہ

گمراہی کے اسباب

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 28-12-2007

الحمدللّٰہ رب العٰلمین○

والصلٰوۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعین○

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیْم○

واذاخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتو الکتب لتبیننہ' للناس ولا تکتمونہ' فنبذوہُ ورآء ظھورِھم واشتروابہٖ ثمناً قلیلاً ط فبئس ما یشترونَ○ لا تحسبن الذین یفرحون بمآ اتوا ویحبونَ ان یحمدوا بما لم یفعلُوا فلا تحسبنھُم بمفازۃٍ من العذاب ولھُم عذاب' الیم'○وللّٰہ ملکُ السمٰوٰت والارضِ ط واللّٰہُ علی کل شی ءٍ قدیر'○

اللھُم سبحٰنک لا علملناَ الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِمْ دَائِمًا اَبَداً
عَلٰی حَبِیبکَ مَنْ زانتْ بِہٖ الْعُصُروا

ان آیات میں اللہ کریم نے دومختلف اسباب بیان فرمائے ہیں جو لوگوں کوگمراہی تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پہلا اور بنیادی سبب ہے حقائق کو چھپانا' فرمایاو اذاخذاللّٰہ میثاق...... حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودونصاریٰ دونوں پر علیحدہ علیحدہ الہامی کتابیں اتریں تورات وانجیل دونوں الہامی کتابوں میں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے بارے بہت سے حقائق ارشادفرمائے گئے اور خوب واضح کرکے ارشادفرمائے گئے یہانتک کہ حضور ﷺ کا نام نامی تک موجود تھا اس کے علاوہ آپ ﷺ کے عادات وخصائل' آپ ﷺ کی جائے پیدائش' ہجرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نشانیاں بھی ارشادفرما دی گئی تھیں۔ تاریخ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ عہد فاروقی میں جب بیت المقدس کا محاصرہ ہوااور عیسائیوں کے لئے محاصرہ برداشت کرنا مشکل ہوگیا تو عیسائی حکمران نے مشاورت کی اور مشورہ دینے والوں کے سامنے اپنی رائے رکھی کہ اس وقت دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہ شہر مسلمانوں کے سپرد کردیا جائے اور شکست تسلیم کرلی جائے اوردوسری صورت یہ ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں اور باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے' جسے فتح ہووہ شہر لے لے گا لہٰذا مشورہ دیا جائے کہ کونسی صورت بہتر ہے؟ دونوں میں سے کون سا راستہ اپنایا جائے؟ حکمران کے مشیروں میں اُن کی قوم کے مذہبی رہنما بھی تھے ان علماء کے پیشوا نے دیگر علماء سے مشورہ کرکے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کا امیر جو حضور اکرم ﷺ کا خلیفہ ہے اس وقت اگراُسے یہ دعوت دی جائے اوروہ یہاں تشریف لے آئے تو ہم اُسے دیکھ کر بتادیں گے کہ کیا یہی وہ بندہ ہے جس کی ہماری کتاب میں نشانیاں ہیں؟ اس لئے کہ ہماری کتاب میں اس مسلمان خلیفہ صحابیؓ رسول کی ایسی واضح نشانیاں ہیں اگروہ وہی شخص ہواتواس کے ہاتھ پر یہ شہر فتح ہوگا پھر ہمارا لڑنا فضول

ہے پھر ہم اس سے جان کی امان طلب کر کے شہر چھوڑ کر نکل جائیں گے اور اگر وہ شخص نہیں ہے ان نشانیوں پر پورا نہیں اُترتا جو الہامی کتابوں میں ہیں تو پھر ہم مقابلہ کریں گے حاکم وقت نے مذہبی رہنما کی تجویز قبول کر لی اور مسلمانوں کے امیر لشکر کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے امیر المومنین کو دارالخلافہ سے یہاں بلا لیجئے ہم اُن سے ملاقات کر کے یہ طے کریں گے کہ ہمیں مقابلہ کرنا ہے یا شہر ان کے سپرد کرنا ہے۔ یہ خبر مدینہ منورہ بھیجی گئی سیدنا فاروق اعظمؓ تشریف لائے عیسائی عالم نے شہر پناہ سے دیکھا' پہچانا اور فیصلہ دے دیا کہ یہی نبی برحق ﷺ کے برحق خلیفہ ہیں ان میں وہ تمام نشانیاں موجود ہیں جو ہماری کتابوں میں پہلے سے نازل ہو چکی ہیں۔ یہ شہر ان کے ہاتھ پر فتح ہو گا اگر ہم لڑیں گے تو بھی فتح انہی کی ہوگی اس لئے بہتر ہے کہ جان بخشی کروا کر ہم لوگ شہر چھوڑ دیں۔ یہ بڑا مشہور اور طویل واقعہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کی نشانیاں اتنی وضاحت سے بیان ہوئیں تو ان الہامی کتابوں میں نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کتنا وضاحت سے ہوگا اور یہی بات اس آیت میں ارشاد فرمائی جا رہی ہے کہ جن لوگوں کو اسلام سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئیں اُن کتابوں میں اُن سے یہ وعدہ بھی لیا گیا لتبیننہ' للناس کہ الہامی کتابوں میں جو حقائق ہیں انہیں لوگوں پر کھول کر بیان کر دیں ولا تکتمونہ' اور لوگوں سے مت چھپائیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو حقائق اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں انہیں اللہ کے بندوں سے چھپایا جائے۔ کیوں؟ قرآن حکیم نے یہاں اس کی وجہ بیان کی فبئس ما یشترون کہ یہ معاوضے میں دولت واقتدار چاہتے ہیں یہ چاہتے تھے کہ لوگ انہیں مال دیتے رہیں اور ان کا وقار قائم رہے اقتدار' دولت اور مادی فوائد کے حصول کے لئے انہوں نے حقیقتیں چھپائیں اور جھوٹ بول کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ یہود ونصاریٰ کے علماء جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں لیکن لوگوں پر اپنی حکمرانی قائم رکھنے کے لئے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے رہے۔ ابوجہل کی گمراہی کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ بھی حضور اکرم ﷺ کو جانتا تھا اُسے پتہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تاریخ نے اس واقعے کو بھی محفوظ کر رکھا ہے جب ابوجہل پریشان بیٹھا تھا کہ کسی شخص نے اس سے کہا کہ تمہارا لقب ابوالحکم ہے پوری وادی بطحا پر تمہارا حکم چلتا ہے تم اگر پریشان ہو گئے تو پھر عام آدمی کا کیا ہوگا اس نے کہا میں کیسے پریشان نہ ہوں جبکہ اس ایک آدمی نے دعویٰ نبوت کر کے ہماری شیرازہ بندی بکھیر دی ہے ہمارا اقتدار' حصول زر کے ذرائع اور ہمارا وقار سب کچھ خطرے میں پڑ گیا ہے اس نے کہا یہ کیسی مشکل ہے تمہارے لئے ایک بندے کو قتل کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے تم نے تو اتنے قتل بے گناہ کر ڈالے ہیں اور کسی نے تم سے پوچھا تک نہیں۔ ابوجہل نے کہا تم کیا سمجھتے ہو کیا ہم نے اس کام میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہوگی ہم تو اپنی پوری کوشش کر چکے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ اللہ کا رسول ﷺ ہے اور اللہ اُس کے ساتھ ہے۔ تو پوچھنے والا حیران رہ گیا اس نے کہا اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ اللہ کا رسول ﷺ ہے اور اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہے تو تم مان کیوں نہیں لیتے۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ اگر ہم اسے مان لیں تو ہماری اپنی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ اب ہم سردار ہیں لوگ ہماری بات مانتے ہیں پھر وہ سردار بن جائے گا حکم اللہ کا ہوگا اللہ کا نبی ﷺ اسے نافذ کرے گا تو ہم تو عام آدمی بن جائیں گے ہماری حیثیت پھر کیا رہ جائے گی۔

قرآن حکیم یہود ونصاریٰ کے علماء کے بھی اسی طرز فکر اور طرز عمل کا تذکرہ کر کے گمراہی کے اسباب بیان کر رہا ہے کہ ان کے علماء نے بھی حق چھپایا کہ اگر وہ حق بیان کرتے اور بتا دیتے کہ نبی کریم ﷺ

اللہ کے سچے رسول ہیں جن کا تذکرہ ان کتابوں میں آ چکا جنکو یہ علماء پڑھتے تھے تو پھر لوگ سچے نبی علیہ السلام کی پیروی کریں گے اور یوں اُن علماء کی حیثیت ختم ہو جائے گی انہیں کون پوچھے گا انکی اہمیت نہیں رہے گی انہیں نذرانے مال ودولت کون دے گا اُن کی بات کون مانے گا اوران کا جھوٹا وقار ختم ہو جائے گا۔

اسی مصیبت نے آج بھی دنیا کو تباہی کے کنارے کھڑا کر رکھا ہے جن لوگوں کے پاس اقتدار آ جاتا ہے وہ نہ سچ سننا چاہتے ہیں نہ سچ پر عمل کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہر طرح سے جھوٹ بول کر اپنا اقتدار بچانا چاہتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انکی دانشمندی ہے وہ اپنی عقل ودانش سے اقتدار پر قابض ہیں لیکن یہ حقیقت کے برخلاف ہے اس حقیقت کا انہیں اس وقت پتہ چلے گا جب اللہ کے حضور میں کروڑوں لوگوں کی طرف سے جواب دہی کے لئے کھڑا ہونا پڑے گا۔ قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اُن کی امتوں کے سامنے لایا جائے گا اور یہ پوچھا جائے گا کہ کیا اللہ کا پیغام اپنی امتوں تک من وعن صحیح صحیح پہنچا دیا تھا حالانکہ اللہ کریم سب کچھ ذاتی طور پر جانتے ہیں لیکن انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے پرسش احوال ہوگی۔ انبیاء عرض کریں گے بار الہا! تو جانتا ہے ہم نے تیرا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ امت کے نافرمان لوگ اعتراض کریں گے کہ اُن تک تو بات صحیح پہنچی نہیں تھی اس پر گواہی کے لئے آخری نبی حضرت محمد علیہ السلام کی اُمت کو شہادت دینے کے لئے بلایا جائے گا۔ امت محمد رسول اللہ علیہ السلام، امت مرحومہ، محمد رسول اللہ علیہ السلام کے غلام شہادت دیں گے کہ بار الہا! تیرے انبیاء نے تیرا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا۔ کفار پھر اعتراض کریں گے کہ ان لوگوں کو وہ نہیں جانتے یہ لوگ تو اُن کے بعد آئے وہ ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں اس پر امت محمد رسول اللہ علیہ السلام عرض کرے گی کہ نبی کریم علیہ السلام نے ہمیں تمام انبیاء کے برحق ہونے اور انکی رسالت پر ایمان لانے کی اس برحق پیغام کو پہنچانے کی خبر دی۔ آپ علیہ السلام نے بتایا کہ تمام انبیاء اپنے اپنے وقت پر اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں کوشاں رہے اور پیغام پہنچانے کا حق ادا کر گئے۔ ہمارا اپنے نبی علیہ السلام پر یقین وایمان ہے اور ہم آپ علیہ السلام کی دی ہوئی سچی خبر پر شہادت دے رہے ہیں۔ تب اللہ کریم کی طرف سے امت محمد علیہ السلام سے خطاب ہوگا کہ تم نے قرآن کو سچا مانا اس پر عمل کیا تمہاری زندگی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن سچا ہے کیا تمہارا کردار اس بات پر گواہی دیتا ہے؟ اب اس پر شہادت کون دے؟ اس کی گواہی کون دے؟ اس کی گواہی دیں گے محمد رسول اللہ علیہ السلام **فكيف اذا جئنا من كل امةٍ بشهيدٍ وجئنا بك علىٰ هٰؤلآء شهيداً.** آپ علیہ السلام کو پھر ان سب پر گواہ لایا جائے گا اور حضور علیہ السلام یہ گواہی دیں گے کہ میرے یہ امتی جو شہادت دے رہے ہیں ان پر میں گواہ ہوں کہ انہوں نے اے اللہ تیری کتاب اور میری سنت پر عمل کرنے کے لئے اپنی قوت صرف کر دی۔

اس کا مطلب ہے کہ حضور علیہ السلام کا اُمتی ثابت کرنے کے لئے ہمیں اپنے نبی علیہ السلام کی گواہی درکار ہوگی۔ بڑا عجیب حال ہوگا قیامت کو جب ہم اٹھیں گے تو ہر مسلمان کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کے لوائے حمد کے نیچے پہنچے۔ قیامت کے میدان میں پناہ کی جگہ ہی محمد رسول اللہ علیہ السلام کا جھنڈا مبارک ہوگا۔ سب چاہیں گے کہ وہاں پہنچیں لیکن خود شافع محشر عرض کریں گے بار الہا! یہ جو ہجوم آ رہا ہے اس طرح کے لوگوں کو مجھ سے دور کر دیں۔ آپ علیہ السلام جن کو اپنے سے دور کریں گے ان کے بارے قرآن حکیم میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام فرمائیں گے **وقال الرسول يٰرب ان قومي اتخذوا هٰذا القرآن مهجوراً** یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن

کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا تھا۔ جب یہ دنیا میں تھے یہ اپنی خواہشات کے مطابق جیتے رہے۔ اس کتاب کو انہوں نے اپنی زندگی سے الگ کر دیا جسے میں لیکر آیا تھا جس کے لئے میں نے زخم کھائے جانثار شہید کروائے۔ شعب ابی طالب میں قید رہا' ہجرت کی دندان مبارک شہید ہوئے اور جس کے لئے میں نے تیئس برس دنیا کی ہر مصیبت اٹھائی اس لئے آج میدان حشر میں ان لوگوں کو میرے پاس سے الگ کر دے۔ ہمیں پتہ اس وقت چلے گا کہ ہمیں اسلام کی کتنی ضرورت ہے۔ کتنی ضرورت تھی اور کتنی ضرورت رہے گی اللہ کریم نے انسانوں کے گمراہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ارشاد فرمایا کہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں ناجائز ذرائع سے مال بھی ملتا رہے اور ان کا اقتدار بھی ظلماً قائم رہے اس لئے نہ وہ سچ بیان کرتے ہیں اور نہ سچ سننا پسند کرتے ہیں۔ یہ بیماری یہود ونصاریٰ کے علماء میں ہی نہیں تھی آج کے باغی دانشوروں کی بیماری بھی یہی ہے اس میں خواہ یورپ کی غیر مسلم قوت ہو' سوشلسٹوں کی غیر مسلم طاقتیں ہوں یا بے عمل مسلمان حکمران ہوں' اسلام کے خلاف چلنے والے مسلمان حکمران ہوں سب ایک جیسے ہیں کہ اُن کی ساری کوشش اس ایک نقطے پر مرتکز رہتی ہے کہ جائز ناجائز غلط صحیح ہر طریقے سے وہ اقتدار پر قابض رہیں۔ محنت غریب کرے' مزدوری کوئی اور کرے' کاروبار کوئی اور کرے اور لوٹ لوٹ کر دولت وہ جمع کرتے رہیں ان کے عبرتناک انجام اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ غیر ممالک میں خریدے ہوئے محل' غیر ملکی بینکوں میں لوٹ کر رکھے ہوئے سرمایے اور بین الاقوامی طاقتوں کے پاس رکھی ہوئی دولت میں سے ایک پائی بھی یہ ساتھ نہ لے جاسکے بلکہ جب یہ مرتے ہیں تو انہیں کفن بھی کوئی دیتا ہے اور اکثر کو ایدھی کی ایمبولینس پر جاتے ہی دیکھا گیا ہے۔ اُن کے لوٹ کر جمع کئے ہوئے خزانے یہیں رہ جاتے ہیں کیسا عجیب انجام ہوتا ہے! مارکوس نے اتنی دولت لوٹی وہ کہاں گئی شہنشاہ ایران کی لوٹ مار کہاں گئی؟ مجیب الرحمٰن کا حشر کیا ہوا؟ اندرا گاندھی کس حال میں گئی؟ یعنی ماضی قریب میں دیکھیں' حال میں دیکھیں اور مستقبل میں بھی دیکھیں گے کہ کیا انجام ہوتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود حق سننا گوارا نہیں کرتے حق کہنا گوارا نہیں کرتے۔ جھوٹ کو ملمع سازی کر کے سچ بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہی معاملہ نبی کریم ﷺ کی بعثت پر پیش آیا حالانکہ اہل کتاب سے وعدہ لیا گیا تھا کہ کتاب میں جو حقائق ہیں وہ لوگوں تک پہنچاؤ اور قرآن حکیم میں یہی وعدہ ہم سے لیا گیا ہے کہ قرآن میں جو حقائق ہیں وہ عام لوگوں تک پہنچائیں اور ہم اس بات پر نہ رہیں کہ ہمیں مسجد سے نکال دیا جائے گا' ہمیں مدرسے سے نکال دیں گے یا ہمیں پیر نہیں مانا جائے گا۔ ہمارے ذمے ہے کہ ہم حق بیان کریں' حق قبول کریں' خود اس پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی دعوت عمل دیں۔ قرآن کریم بتا رہا ہے کہ حق کو چھپانا اہل کتاب کے علماء کا پیشہ تھا اور یہی طرز عمل کفار کا تھا اور اس کی وجہ بھی بیان کی جا رہی ہے کہ انہوں نے حق کو پس پشت ڈال دیا فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمناً قلیلاً کیونکہ وہ حق کو چھپانے کا معاوضہ لیتے تھے دولت دنیا کے حصول کے لئے اللہ کے احکام چھپاتے تھے اور جو دولت دنیا آخرت گنوا کر حاصل کی جائے وہ خواہ کھربوں میں ہی کیوں نہ ہو وہ قلیل ہی ہوتی ہے۔ کھربوں روپے وہ کھا تو نہیں سکتا سونا یا ہیرے جواہرات یا جائیداد کی صورت میں ہی رکھے گا ان چیزوں کو کھائے گا تو نہیں نگلے گا تو نہیں۔ کھانے کے لئے تو وہی چند لقمے صبح وشام جو نصیب میں ہیں وہی کھائے گا باقی سب کچھ چھوڑ کر مر جائے گا اس لحاظ سے دیکھیں تو جتنی بھی دولت ہو وہ کم ہی ہوئی۔ سو فرمایا ساری دنیا بھی مل جائے تو اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ تمام بھی قلیل ہے۔ اس تھوڑے سے معاوضے کے لئے

حق چھپاتے ہیں۔ فبئس مایشترون فرمایا انہوں نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا دنیا کے لئے آخرت کو بیچ دیا۔ عارضی کے بدلے دائمی کو چھوڑ کر بڑے نقصان کا سودا کیا اور یہ خیال نہ کرو کہ ایسا کرنے والے اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے لاتحسبن الذین یفرحون...... جو لوگ حق چھپاتے اور ناجائز وسائل سے مفادات حاصل کرتے ہیں وہ ہمیشہ تباہ ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ اللہ کی گرفت میں جیتے ہیں اللہ کی گرفت میں ہی مرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان پر ذلتیں اور اگلی دنیا کا عذاب نازل ہوتا رہتا ہے حق کی مخالفت ایسا جرم ہے جس کے بدلے کبھی نفع نہیں ہو سکتا۔ اُن میں دوسری قباحت یہ ہوتی ہے ان یحمدوا بما لم یفعلوا یہ اپنی ناجائز تعریف پر بہت خوش ہوتے ہیں جو کام نہیں کرتے۔ انہی کاموں کے لئے تحسین چاہتے ہیں کرتے غلطلیاں ہیں اور نعرے زندہ باد کے لگواتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ملک کو بچالیا حالانکہ یہی ملک کو لوٹنے والے ہیں۔ کہتے ہیں ہم نے ملک کی حفاظت کا حق ادا کر دیا اور عملاً دیکھو تو ملکی سرمایے کو کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر اپنے بیٹوں پوتوں کے لئے جمع کروا دیتے ہیں کہتے ہیں قوم کو انصاف دیا اور عملاً ظلم کرتے ہیں کہتے ہیں ہم غریب کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں اور عملاً انہیں تعلیم سے محروم کرتے ہیں علاج معالجے کے دعوے کرتے ہیں اور عملاً جعلسازوں سے رشوت لیکر لوگوں کو بیچنے کی اجازت دیتے ہیں اور اُن کاموں کی تعریف کروانا چاہتے ہیں جو کبھی نہیں کرتے۔ ظلم کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں عادل کہو۔ ملک لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں اپنا ہمدرد وغمگسار کہو آٹے کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں خیرات دے کر زندہ باد کے نعرے لگواتے ہیں۔

اس سال ملک میں گندم کی فصل اتنی زیادہ تھی کہ ملک سے گندم برآمد کی گئی۔ ایکسپورٹ کی گئی اگر ملک میں گندم کی کمی تھی تو باہر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر وافر تھی تو باہر بھیجنے کے بعد جو بچ گئی وہ کہاں گئی؟ کس نے بیچی؟ یہ شوگر ملیں کس کی ہیں؟ آٹے کی ملیں کس کی ہیں؟ کس نے ناجائز ذخیرہ کیا؟ کس نے اسے مہنگا بیچا؟ کہاں بیچا اور کیوں غریب کے منہ سے لقمہ تک چھین لیا گیا اور غریب کو بھوکا رکھ کر کہتے ہیں انہیں مشکل کشا سمجھو حاجت روا سمجھو غریبوں کا ہمدرد سمجھو انکی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہو انکے گیت گاتے رہو زندہ باد کے نعرے لگاتے رہو یہ وہ بیماریاں ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں یہود ونصاری کے علماء کے بارے بیان ہوا ہے اور آج یہی بیماریاں ہمارے معاشرے میں کلمہ پڑھنے والوں نے پال رکھی ہیں، حکومت اور حکومتی کارندوں نے پال رکھی ہیں۔ انہیں سچی بات کہی جائے تو یہ بگڑ جاتے ہیں۔

اے مخاطب یہ نہ سمجھنا کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے کبھی نہیں بچیں گے اور لوگ جو حق کا راستہ روکتے ہیں اور جھوٹے پراپیگنڈے سے اپنی تعریف کروانا چاہتے ہیں ان کی زندگی تو پہلے ہی تکلیف دہ ہے پھر جس کے ساتھ اللہ کریم ''الیم'' بھی لگا دیں وہ عذاب کتنا دردناک عذاب ہے اللہ کریم عذاب سے بچائے گناہ معاف فرمائے۔ توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ حکمرانوں کو بھی ہدایت دے اور انہیں اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امیر المکرم کے بیانات ''ٹی وی چینل'' پر

الحمدللہ امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے پنجابی کے تفسیر قرآن کے بیانات ''اپنا'' ٹی وی چینل (پنجابی) پر باقاعدگی کے ساتھ ٹیلی کاسٹ ہونا شروع ہو گئے ہیں بیانات صبح 6:45 پر نشر ہو رہے ہیں۔ تمام ساتھیوں سے گزارش ہے کہ بیانات باقاعدگی کے ساتھ سنیں اور دیگر دوست احباب کو بھی مطلع کریں۔

رحمت اللہ ملک' 6 مزنگ روڈ لاہور فون نمبر 042-7310974'

موبائل 0333-4363022

E-mail- rahmat@rahmat.com

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 18-07-2007

سوال :- کیا کسی خاتون ساتھی کو اجازت ہے کہ کسی کو ذکر کروائے، سیر کعبہ تک پہنچائے اور عمرہ کروائے؟

جواب :- انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جب اسے تھوڑی سی اہمیت مل جاتی ہے کچھ لوگ اس کا احترام کرنے لگتے ہیں تو پھر اُسے اپنی بڑائی کا زعم ہو جاتا ہے اور اپنی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے عجیب حرکتیں کرنے لگتا ہے یہ صرف خواتین ہی نہیں حضرات بھی اس انسانی کمزوری کے باعث ایسی عجیب حرکات کرتے ہیں مثلاً خاص قسم کی ٹوپی پہن لی اس پر پگڑی لپیٹ لی، خاص قسم کے چوغے بنوا لیے پگڑی باندھ کر او پر دوپٹہ اوڑھ لیا وغیرہ۔

تصوف وسلوک کے اسباق جنہیں مراقبات کہتے ہیں جب یہ مراقبات کسی کو کروائے جاتے ہیں تو ہر مراقبے کی اپنی کیفیات ہوتی ہیں۔ کیفیات جب دل میں آجاتی ہیں تو انسانی اعمال و کردار پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ انسان اپنی اصلاح کرتا ہے جو کوئی نہیں ہے وہ بھی جب حج یا عمرہ کرنے جاتا ہے اُسے بیت اللہ کی حاضری نصیب ہوتی ہے تو اس پر بھی ایک کیفیت ضرور وارد ہوتی ہے اور وہ ہے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی کیفیت۔ بندہ دو ان سلی چادروں میں حضور حق میں بے خود کھڑا ہے بڑے بڑے مضبوط لوگ اردگرد سے بے نیاز اللہ کی بارگاہ میں روتے جاتے ہیں اور اپنی گزارشات پیش کرنے میں محو رہتے ہیں۔ بیت اللہ چونکہ اللہ کی تجلیات ذاتی کا مہبط ہے تو وہاں کی حاضری پر یہ کیفیت نصیب ہوتی ہے۔

سلوک میں جب کسی کو وہاں تک رسائی ہوتی ہے جو اسکے دو مراقبات ہیں۔ ایک سیر کعبہ ہے جو مراقبات ثلاثہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور دوسرا مراقبہ حقیقت کعبہ ہے جو عالم امر کے بہت سے مراقبات کے بعد آتا ہے اس مراقبہ میں قرب الٰہی اور تجلیات باری کی کیفیت اس مقام کے اعتبار سے بے پناہ ہوتی ہے۔ سیر کعبہ میں بھی روح کو وہاں کی حاضری اور وہاں کے انوارات و تجلیات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے اس کیفیت سے جو تبدیلی خیالات میں آتی ہے وہ کردار سے ظاہر ہونی چاہیے اور اعمال کی اصلاح ہونی چاہیے۔

اب رہی یہ بات کہ جسے سیر کعبہ کا مراقبہ نصیب ہو وہ دوسروں سے یہ کہے کہ چلو طواف کرو نوافل پڑھو سعی کرو آب زم زم پیو اب تمہارا عمرہ ہو گیا تو یہ اس مراقبہ کو بگاڑنے خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی صورت ہے۔ مراقبات میں عمرے نہیں ہوتے یہ خاص آداب کیساتھ ادا کیا جانے والا ظاہری فعل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ کے گاؤں میں ایک پیر صاحب آئے ان کے مریدین ان کو بڑا صاحب کمال سمجھتے تھے لیکن پیر صاحب خود نماز بھی نہیں پڑھتے تھے۔ حضرتؒ نے انکے مریدین سے پوچھا کہ تمہارے پیر صاحب تو خود نماز نہیں پڑھتے تمہاری اصلاح کیا خاک ہوگی وہ کہنے لگے ہمارے

پیر صاحب بیت اللہ شریف روحانی طور پر حاضر ہوتے ہیں اور ساری نمازیں وہیں پڑھتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا بیت اللہ شریف کی روحانی حاضری تو بڑے کمال کی بات ہے لیکن ایک بات بتاؤ کیا کبھی کھانا بھی مکہ مکرمہ سے کھا کر آئے ہیں یا کھانا یہیں کھاتے ہیں نمازیں وہاں پڑھتے ہیں تو ان سے کہو کہ دو تین دن کھانا بھی مکہ مکرمہ سے کھا کر آئیں!

سو سیر کعبہ میں عمرہ کروانے کی مثال بھی ایسی ہے جیسی وہ پیر صاحب کی نمازیں۔ عمرہ اور حج ایک ظاہری فعل ہے آدمی اس کی شرائط و آداب کیساتھ ادائیگی کا مکلف ہے یہ عملی زندگی کا فعل ہے سیر کعبہ سے عمرہ نہیں ہوتا۔ ایسی حماقت تو کسی مرد صاحب مجاز نے بھی نہیں کی کہ سیر کعبہ میں لوگوں کو عمرے کروانے کا دعویٰ کیا ہو۔

ایک بات یاد رکھیں! کوئی بھی خاتون صاحب مجاز نہیں ہے نہ یہ منصب خواتین کو دیا جا سکتا ہے نہ آج تک یہ منصب کسی خاتون کو دیا گیا ہے۔ کبھی کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی۔ کوئی خاتون کسی شعبے میں امام نہیں بن سکی۔ پیشوا نہیں بن سکی کوئی خاتون نماز کی امامت نہیں کر سکتی خاتون اذان نہیں کہہ سکتی تو صاحب مجاز کیسے بن سکتی ہے!

خواتین میں صرف یہ اجازت ہے کہ جب چند خواتین جمع ہو جائیں تو کوئی ایک سب کو ذکر کروا دیتی ہے اور بس۔ یہاں ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اس لئے کوئی خاتون نمبر دار نہیں بن جاتی۔ جب وہ ذکر میں مراقبات کرواتی ہے تو وہ صرف ان اسباق کو دہراتی ہے۔ اس کے کروانے سے کسی کے مراقبات نہیں ہوتے اس کے کروانے سے تو ایک لطیفہ بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ نے یہ ذمہ داری عورت کو دی ہی نہیں اسی لئے کسی بھی سلسلے میں کسی عورت کو مشائخ نے کبھی صاحب مجاز نہیں بنایا! خاتون ذکر کا طریقہ بتا سکتی ہے ذکر شروع کروا سکتی ہے برکات سلسلے کی ہوں گی اللہ کریم عطا فرمائیں گے لیکن لطائف تب ہی ہوں گے جب کوئی صاحب مجاز توجہ دے کر کروائے گا۔ یہ تو نئی جہالت ہے کہ خاتون سیر کعبہ کروائے کوئی خاتون مراقبات کروا ہی نہیں سکتی۔ وہ لطائف سے مراقبات تک اپنے اسباق دہراتی ہے اور ساتھ ذکر کرنے والے سلسلے سے برکات حاصل کرتے ہیں لیکن کہیں بھی کسی بھی سلسلے میں کسی عورت کو صاحب مجاز نہیں بنایا گیا۔ ہر ایک کا اپنا اپنا کام ہے اپنا اپنا شعبہ ہے اللہ کریم نے جو امور بانٹ دیئے ہیں وہی ہر ایک کی ذمہ داری ہے اور ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے۔ عورت کی سربراہی کے بارے حضورﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ جس قوم کی سربراہ خاتون بن گئی اُسے اللہ کی طرف سے کوئی بھلائی نہیں پہنچ سکتی، اسکے کام درست نہیں ہوں گے خسرو پرویز نے جب نبی کریمﷺ کے نامہ مبارک کی توہین کی تو حضورﷺ نے اُسے بددعا دی کہ جس نے میرے نامہ مبارک کے ٹکڑے کئے ہیں اللہ پاک آپ اس کی ریاست اور سلطنت کے ٹکڑے کر دیں پھر وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ حضورﷺ کے عہد پر نور میں ہی اس کا بیٹا قتل ہوا پھر اس کی بیٹی تخت نشین ہوئی اس پر آپﷺ نے فرمایا کہ جس قوم کی سربراہی خاتون نے کی وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی اس کے کام صحیح اور درست نہیں ہونگے۔ خاتون کی سربراہی پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سباء کو حکومت لوٹا دی تھی اور وہ حکومت کرتی رہی لیکن یہ دلیل دینے والے بھول جاتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے ماتحت رہ کر حکومت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ملکہ سباء اور اسکی قوم سورج کی پرستش کرتے تھے حضرت سلیمان کو ہدہد کی زبانی علم ہوا تو آپ نے انہیں نامہ مبارک بھیجا اور فرمایا کہ اسلام قبول کر لو اور میرے پاس آ جاؤ اس نے اپنی قوم سے مشورہ کر کے انہیں تحائف بھیجے جو آپ نے یہ کہہ کر اُسے واپس کر دیئے کہ میں

دولت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اس پر وہ عمائدین سلطنت کیساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اُن کی باتیں سنیں اور اسلام قبول کرلیا مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی اور آپ نے اُن سے نکاح کرلیا اور انہیں ان کی حکومت پر بحال رکھا یوں حقیقتاً تو حکومت حضرت سلیمانؑ کی تھی اختیار اور اقتدار حضرت سلیمانؑ کا ہی تھا وہ انکی طرف سے نمائندہ کے طور پر اپنی ڈیوٹی انجام دیتی رہیں یعنی اگر وہ حکومت پر قائم رہیں تو نبیؑ کی زوجہ محترمہ بن کر ان کی نمائندگی کرتے ہوئے انکے نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتی رہیں۔ گویا حکمرانی کے اختیارات مرد کے پاس ہوں تو خاتون اسکی نمائندہ بن سکتی ہے لیکن کلی طور پر اختیارات سلطنت یا زمام اقتدار عورت کے ہاتھ میں دے دی جائے اس کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اسی طرح تصوف میں بھی خاتون کو بتانے کی اجازت ہے ذکر کا طریقہ بتاسکتی ہے ذکر شروع کرواسکتی ہے لیکن اس کے کروانے سے ایک لطیفہ بھی نہیں ہوتا کہ اُسے صاحب مجاز بنایا ہی نہیں گیا۔ یہ نئی بات جو کہی گئی ہے کہ خاتون نے سیر کعبہ تک مرقبات کروائے اور اس میں عمرہ کروایا یہ جہالت ہے اور سلسلے کے ساتھ مذاق ہے بعض لوگ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ جب انہیں ذکر نصیب ہوتا ہے تو بجائے اس کے انکی اصلاح ہو وہ مزید بگڑ جاتے ہیں یہ کم استعداد کے لوگ ہوتے ہیں اور یہ بڑی بدبختی ہوتی ہے کہ جب انہیں تھوڑی سی اہمیت ملتی ہے تو وہ غلط روش اختیار کرلیتے ہیں جیسا کسی نے کہا ہے کہ ''روٹی آدمی کی ضرورت ہے وہ صبح شام کم ازکم دو وقت روزانہ ضرور کھاتا ہے اور اس سبب سے زندہ رہتا ہے لیکن اگر آپ کسی شیر خواہ بچے کو دودھ نہ دیں اور روٹی دینا شروع کردیں تو ایسی روٹی اُسے مار دینے کے لئے کافی ہے'' تو بعض لوگ جن میں ابھی خود استعداد پیدا نہیں ہوتی انکے اپنے لطائف بھی نہیں ہوتے انہیں پیر بننے اور بڑا بننے کا خودنمائی کا شوق ہوتا ہے اس لئے وہ اس طرح کی غلط حرکات کرتے ہیں اس کا جواب انہیں اللہ کی بارگاہ میں دینا پڑے گا اچھا کیا جس کسی نے یہ سوال کیا کہ بات صاف ہوگئی کہ عبادات عملی زندگی میں ادا کی جانے والی چیزیں ہیں جس طرح نماز عملی زندگی میں ادا کی جاتی ہے مراقبے میں نماز ادا نہیں ہوتی مراقبہ عبادت میں حضوری کی کیفیت اور خشوع حاصل کرنے کی کوشش ہے عنداللہ عمل وہی شمار ہوگا جو ظاہری طور پر عملی زندگی میں کیا جائے گا۔

سوال :- کیا منافق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ کیا اس کو اپنی حالت کا علم ہوتا ہے؟

جواب :- توبہ کی ترغیب قرآن حکیم میں جابجا ملتی ہے منافقین کے احوال کے بعد بھی فرمایا گیا ہے کہ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ توبہ کرلیں قرآن حکیم میں جہاں توبہ کا ذکر آتا ہے وہیں رجوع الی اللہ کا ذکر بھی ملتا ہے اور توبہ کیساتھ اصلاح کی قید بھی لگائی گئی ہے تابوا واصلوا توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں جو بُرائی کر رہے ہیں اُسے ترک کر دیں دراصل توبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ بُرائی کا یقین ہوگیا اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اب بندہ غلطی کو چھوڑ دے اور جو ہو چکا اس کے لئے معافی کا طلبگار ہو تو اللہ بخشنے والے بھی ہیں اور ہدایت دینے والے بھی۔

سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کیا منافق کو اپنی حالت کا علم ہوتا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کسی گناہگار کو گناہ کا علم نہ ہو یا کسی منافق کو منافقت کا علم نہ ہو۔ خطا ہو جانا یا گناہ ہو جانا یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے گناہ ہو جانا منافقت نہیں منافقت نیت میں ہوتی ہے کہ ارادتاً اندر سے کچھ اور سوچے اور زبان سے کچھ اور کہے یا عملاً کچھ اور کرے تو ارادے

اور نیت کیساتھ عمل میں تضاد منافقت ہے پھر منافق کو کیسے علم نہیں ہوتا جبکہ وہ دو طرح کی زندگی جیتا ہے بظاہر نیکی اور عملاً کچھ اور۔ جیسے لوگ حکمرانوں کو دل میں گالیاں دیتے ہیں اور بظاہر خوشامد کرتے ہیں یا دعویٰ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اطاعت کا رکھتے ہیں اور اندر سے دین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو منافقت کا علم منافق کو لازماً ہوتا ہے۔

سوال:- کیا جادو کرنے والوں کے لئے ہدایت کی دعا مانگنا چاہیے؟

جواب:- ساری مخلوق کیلئے ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے کافر اور مشرک کے لئے بھی اس کی زندگی میں دعا کرنا جائز ہے جب تک کوئی کفر وشرک پر مر نہیں جاتا تب تک دعا کرنا درست ہے اگر کسی کا خاتمہ کفر اور شرک کی حالت میں ہی ہو جائے تو اس کے لئے دعا کرنا منع ہے چونکہ اللہ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہیں ہوگی اور قرآن نے ایسے لوگوں کے لئے دعا کرنے سے روک دیا ہے لہذا انکے لئے دعا کرنا جائز نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کمال مہربانی سے منافقین کے جنازے بھی پڑھا دیا کرتے تھے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی دعا کریں گے تو انکی بخشش نہیں ہوگی حضور ﷺ ایسے کریم ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں ستر سے زیادہ مرتبہ دعا کروں گا جس پر اللہ کریم کی طرف سے مکمل ممانعت آ گئی کہ آپ ؐ نہ ان کا جنازہ پڑھائیں نہ ان کی قبر پر تشریف لے جائیں۔ منافقین چونکہ بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے لیکن اللہ کریم نے اُن کا نفاق ظاہر کر دیا جیسا کہ احد میں منافق میدان جہاد میں مومنین سے الگ ہو کر ظاہر ہو گئے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ایسے ہی دیگر منافقین کا نفاق بھی سامنے آ گیا اللہ کریم نے حضور ﷺ کو ان کے لئے دعا کرنے سے روک دیا یوں ہر آدمی ان کے نفاق سے آگاہ ہو گیا۔

اصول یہ ہے کہ جادو کرنے والا ہو یا کرانے والا کافر ہو یا مشرک، منافق ہو یا بت پرست کوئی بھی ہو جب تک دنیا میں موجود ہے سب انسانوں کیلئے ہدایت کی دعا کی جا سکتی ہے اور کرنا چاہیے۔

سوال:- نیت کے خالص ہونے کا کیسے پتہ چلتا ہے؟

جواب:- نیتوں کا مالک اللہ ہے۔ یہ باطنی اور قلبی معاملہ ہے کس کے دل میں کیا ہے یہ بندے کو خود پتہ ہوتا ہے یا اس کا اللہ جانتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا۔ اس ایک واقعے سے اسکی وضاحت ہو جاتی ہے ایک جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھوں ایک ایسا شخص مارا گیا جس نے مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا حضور ﷺ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ سے باز پرس فرمائی انہوں نے عرض کیا حضورؐ جب تلوار اس کے سر پر آ گئی تو اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا اس نے دل سے نہیں پڑھا موت کے خوف سے پڑھا تا کہ بچ جائے اس لئے میں نے اسے قتل کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس نے کس طرح کلمہ پڑھا ہے آپ کو چاہیے تھا کہ اس سے درگزر کرتے۔ لہٰذا نیت کے خالص ہونے کا یا تو اللہ کو علم ہوتا ہے یا پھر بندے کو خود پتہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کیساتھ اللہ کے دین کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کتنا مخلص ہے۔

سوال:- ناشکری کفر ہے تو کیا ناشکری کرنے والا کافر

ہوتا ہے؟

جواب :-اس طرح کے فتوے نہیں لگائے جاتے۔ کفر کا مفہوم ہے انکار کرنا ناشکری بھی اللہ کی نعمتوں کا ایک طرح سے انکار کرنا ہے یہ بھی انکار کی صورت ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا احساس نہ کیا جائے قرآن حکیم میں بھی شکر کے مقابل کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے فرمایا **فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولاتکفرون** ۔تم مجھے یاد کرو ہمہ وقت کرتے رہو تمہارا یاد کرنا عجز و نیاز مندی سے ہوگا اپنی غرض اور ضرورت سے ہوگا تم محتاج اور ضرورت مند ہو تمہارا ذکر کرنا تمہارا اللہ کو پکارنا اپنی حاجت براری کے لئے ہوگا۔ اذکر کم اللہ منعم حقیقی ہے اللہ کا یاد رکھنا یہ ہے کہ وہ تمہیں مسلسل انعامات سے نوازتا رہے گا تو پھر تم میرا شکر کرنا واشکروالی والا تکفرون. اور میری ناشکری نہ کرنا یہاں شکر کے مقابل کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ توفیق ذکر اللہ کا بہت بڑا انعام ہے اس کے بہت سے دیگر فوائد ہیں علماء اس کی مثال دیتے ہیں کہ کپڑا اگر بے حد میلا ہو چکا ہو اور دس مرتبہ بھی صابن لگانے سے صاف نہ ہوتا ہو تب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میل کٹ نہیں رہا ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ میل تو کٹتا ہے اس لئے توفیق ذکر کا نصیب ہو جانا خود ایک بہت بڑا انعام ہے اور اس سے کچھ نہ کچھ اصلاح تو ہوتی رہتی ہے یہاں کفر کے معنی ناشکری کے ہیں۔ ناشکری تو ہم سے قدم قدم پر ہوتی ہے ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم پر اللہ کے کتنے احسانات ہیں جس شخص کو دیکھو وہ شکایات کا پلندہ اٹھائے پھرتا ہے کہ عبادت بھی کرتا ہوں روزے بھی رکھتا ہوں ذکر بھی کرتا ہوں لیکن میرے اپنے مسائل ہیں بیوی بیمار ہے' بیٹے کو نوکری نہیں ملتی دکان نہیں چلتی خود بیمار رہتا ہوں لیکن اللہ کے انعامات کو بھول جاتے ہیں۔ بیٹے کا ہونا اللہ کا انعام ہے' بیوی کا ہونا' گھر کا ہونا' اپنے وجود کا ہونا تعلیم کا ہونا' صلاحیتوں اور استعداد کار کا ہونا' آنکھ' کان' ناک' زبان کو استعمال کرنے کی قوت کا ہونا' زندگی کا ہونا عبادت' نماز' روزہ' ذکر کی توفیق ہونا کیا یہ سب نعمتیں نہیں ہیں! حدیث شریف میں ملتا ہے حضورﷺ نے فرمایا جبرائیل امین نے اطلاع دی کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو اللہ کی عبادت کی خاطر گوشہ نشین ہوگیا اللہ نے اسے چار سو سال زندگی عطا کی اور اس نے چار سو سال اللہ کی خاطر گوشہ نشین ہو کر عبادت میں گزار دیئے اللہ نے اس گوشہ تنہائی میں اسکے لئے پھلدار پودے اور بیلیں اگادیں چشمہ جاری کر دیا اس پر ہی اس کی گزر بسر ہوتی رہی اور اسے اللہ سے اتنا قرب نصیب ہوگیا کہ جب اس کا وقت مقرر آگیا تو اللہ کریم نے ملک الموت کو فرمایا کہ اس سے پوچھ لو یہ کس حال میں دنیا سے جانا چاہتا ہے اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب نوافل ادا کرتے ہوئے سجدے میں جاؤں اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوں تو فرشتہ روح قبض کرلے اور میدان حشر میں اسی طرح حالت سجدہ میں اٹھایا جاؤں حضرت جبرائیل بتاتے ہیں کہ اللہ کریم نے اسکے بدن کو بھی محفوظ رکھا ہوا ہے اسی سجدے کی حالت میں اسکا وصال ہوا ہے اب بھی آسمان سے آتے اور واپس جاتے ہوئے اس پر نظر پڑے تو اس کا وجود اسی طرح سربسجود نظر آتا ہے اللہ نے دنیا کے موسموں کے اثر سے اسے محفوظ رکھا ہوا ہے لیکن اس کے بارے یہ عجیب بات ارشاد ہوئی ہے کہ وہ روز محشر جب اٹھے گا اور حساب کتاب کے لئے جائے گا تو اللہ کریم کا ارشاد ہوگا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت و بخشش کے سبب جنت میں لے جاؤ اس پر وہ بندہ عرض کرے گا کہ رب کریم تیری رحمت بے پناہ ہے لیکن میری چار سو سالہ عبادت کی بھی کوئی قیمت ہوگی میں نے چار سو سالہ زندگی صرف تیری عبادت میں گزاری تو کیا اب بھی میں تیری رحمت سے ہی جنت جا رہا ہوں۔ میری محنت کا کیا ہوا؟ ارشاد ہوگا اس کا

حساب کرو میری نعمتوں کو شمار کرو اسکی عبادتوں کو شمار کرو اس نے میری ایک نعمت بصارت آنکھ سے دیکھا چار سو سال آنکھ استعمال کی اس نعمت کا وزن کرو ایک پلڑے میں اس نعمت کا استعمال رکھو اور دوسرے پلڑے میں چار سو سال کی عبادت رکھو تو اسکی عبادت کا وزن کم ہوگا تو فرشتے حساب کتاب کے مطابق ناشکری کی سزا بتائیں گے تو عرض کرے گا کہ بار الہا مجھے میری عبادت کا اجر نہیں تیری رحمت چاہیے اور اللہ کریم اس کی معذرت قبول کرلیں گے کہ اگر تو رحمت چاہتا ہے تو میں رحمت سے محروم نہیں کروں گا اور حساب کتاب چاہتا ہے تو اپنا حساب کرلے۔

شکایات کے جو پلندے ہم اٹھائے پھرتے ہیں کیا ہم یہ سب نعمتیں استعمال نہیں کرتے؟ پھر نقصان کے وقت یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دنیا دارعمل ہے یہاں ہم کیکر بو کر کیسے امید کرتے ہیں کہ اس پر آم کا پیڑ اُگ آئے گا کاروبار میں نقصان ہو تو کہہ دیتے ہیں فلاں نے مجھ پر جادو کر دیا اور اللہ نے میری قسمت میں نقصان ہی لکھ دیا کوئی یہ سوچنے کی تکلیف ہی نہیں کرتا کہ اس نے کاروبار میں غلطی کہاں کی! کاروبار کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں کچھ طریقے ہوتے ہیں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ کام دیانتداری سے کیا جائے۔ میری ساری زندگی کاروبار میں گزری ہے ہمارا ''مائننگ'' کا بزنس ہے جس میں مزدور سے لیکر بھٹے والے تک سب بے ایمانی کرتے ہیں اللہ نے ہمیں بچا رکھا ہے۔ کاروبار کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کاروبار میں منافع خریدتے وقت ہوتا ہے فروخت کرتے وقت نہیں۔ کاروبار میں بچت یا منافع خرید پر ہوتا ہے فروخت پر نہیں اس لئے کہ فروخت تو مارکیٹ میں کرنا ہے ایک چیز بازار میں دس روپے پر فروخت ہو رہی ہے آپ اگر بارہ روپے پر بیچیں گے تو کون خریدے گا اگر دوسرے نو روپے کی خرید کر دس روپے کی بیچیں گے تو آپ محنت کر کے دور سے خرید کر سات روپے میں خریدیں اور دس کی بیچیں تو جہاں دوسروں کو ایک روپیہ منافع ہوگا آپ کو تین روپے بچیں گے ہم نے کوئلے کی مائننگ میں اسی اصول کے تحت بزنس کیا ہے جہاں جہاں محنت کر کے پیسہ بچایا جا سکتا ہے وہاں بچایا ہے مائننگ کے اوزار خریدتے وقت اکٹھے خرید لئے کہ ضرورت تو رہتی ہے اکٹھا خریدنے سے بچت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بوریاں، لکڑی، تیل ان پر جو لاگت آتی ہے اس پر محنت کرتے ہیں دور سے خریدتے ہیں جہاں سے سستی ملے وہاں سے خریدتے ہیں سال بھر کی ضرورت کے لئے اکٹھا خریدتے ہیں اس پر کافی رعایت مل جاتی ہے اس طرح جب فروخت کرتے ہیں تو اس مرحلے تک پہنچنے میں کسی کے بالفرض پندرہ روپے خرچ ہوئے اور کسی کے بیس اور قیمت فروخت سب کی بائیس ہی ہے تو زیادہ منافع وہ کمائے گا جس نے خریدنے میں بچت کرلی۔

یار لوگ جو کاروبار میں نقصان کا ذمہ دار قسمت یا جادوگر کو ٹھہراتے ہیں وہ دو تین دکانیں چھوڑ کر کسی دکان سے اسی قیمت پر سودا خریدتے ہیں پھر اپنا منافع رکھ کر بیچتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ اسی بازار میں یہی چیز دس روپے کی مل رہی ہے ان سے بارہ روپے میں کوئی کیوں خریدے گا! پھر کہتے ہیں کسی نے جادو کر دیا اور یہ جملہ کہہ کر خود اپنی غلطیوں کی اصلاح سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی بیماری آجائے تو علاج کریں اور اللہ سے دعا بھی کریں۔ صحت و بیماری اللہ کا نظام ہے ۔ کسی نے جادو نہیں کیا۔ بندے نے خود اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے کیا اللہ نے کائنات بنا کر جادوگروں کے سپرد کر دی ہے؟

اسی طرح کی ناشکری تو قدم قدم پر پائی جاتی ہے اسکی اصلاح کرنا چاہیے قدم قدم پر کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔

سوال :- ''جن کا سایہ'' اور

''جادو کا اثر'' کیا یہ ایک ہی کیفیت کے دو نام ہیں یا مختلف بات ہے؟

جواب :- بنیادی طور پر یہ مرض ہوتا ہی بہت کم ہے باقی سارے توہمات ہوتے ہیں بندے نے خود وہم اختیار کر رکھا ہوتا ہے جب جھاڑ پھونک والے حوصلہ دیتے ہیں کہ انہوں نے ٹھیک کر دیا ہے تو ذہنی طور پر اسے اعتماد ہو جاتا ہے کہ اب وہ ٹھیک ہے اور واقعتاً کسی کو جنات کا اثر ہو تو یہ واقعی بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے جنہیں ہوتا ہے انہیں ہی اندازہ ہوتا ہے کہ تکلیف کیا ہے' اللہ پناہ دے۔

سوال :- ذکر کرتے ہوئے غلطی سے اگلے لطیفے پر ذکر کرنے لگ جائیں تو کوئی نقصان تو نہیں ہوتا؟ -

جواب :- مفروضوں پر بات کرنا درست نہیں ویسے ہی فرض کر لیا کہ پہلا لطیفہ کیا تھا پھر پانچویں پر چلے گئے ایسا ہوتا نہیں اور نہ ہی یہ سوال بنتا ہے۔

سوال :- شدید شیطانی خیالات آئیں تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب :- شیطان ہمیشہ اسی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یہ تو اس کا کام ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا علاج بتایا ہے فاستعذ باللہ اللہ سے پناہ چاہو شیطان سے بچنے کے لئے اور فرمایا واذکر ربک اذا نسیت جب بھول جاؤ تو پھر سے اللہ کا ذکر شروع کرو۔ اور جن لوگوں کو بہت شیطانی وساوس آئیں اور وہ یہ سمجھے کہ وہ انہیں رد نہیں کر سکتا تو سب سے اچھا وظیفہ درود شریف ہے کثرت سے پڑھیں اس کی برکت سے بہت فائدہ ہوتا ہے تلاوت کو شعار بنائیں کوئی دن بغیر تلاوت کے نہ جائے تھوڑی کر لیں روزانہ کریں قرآن سمجھنے کی کوشش کریں عمل کی کوشش کریں ذہن کو مصروف رکھیں ذہن ایک وقت میں دو کام نہیں کرتا اُسے مصروف رکھیں وہ شیطان کی بات نہیں سنے گا تو اللہ کریم کا بتایا ہوا طریقہ سب سے بہتر ہے اللہ کو یاد کریں۔ درود شریف پڑھیں تلاوت کیا کریں اور اللہ سے ہدایت کی اور نیکی اختیار کرنے کی دعا کیا کریں۔

☆☆☆

قارئین المرشد متوجہ ہوں!

لاہور میں ماہنامہ المرشد اب مارکیٹ سے بھی دستیاب ہے اور ہاکر سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

رابطہ: شفیق نیوز ایجنسی

1-میو ہسپتال روڈ اخبار مارکیٹ لاہور

042-7236688=Mob:0300-9477121

نوٹ۔ فی الحال یہ سہولت صرف لاہور شہر کیلئے ہے۔

غزوۂ خندق

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 17-10-2006

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

اُحد کی شکست کے بعد مشرکین بہت بددل ہوئے اور اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور یہ بات اطراف عرب میں عام ہوئی کہ بدر کے بعد اُحد میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے لشکر نے مشرکین کے بڑے بھاری لشکر کو شکست سے دوچار کیا اور الحمدللہ ریاست اسلامی کا وجود اُجاگر ہونے لگا۔ سفر مختلف سمتوں کو روانہ ہونے لگے مختلف قبائل میں دعوت پہنچنے لگی لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے اور مشرکین کے تجارتی راستے مسدود ہونے لگے اُس کے ساتھ کچھ تبدیلیاں مقامی طور پر بھی آئیں یہود کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس نے بدعہدی کی یہودیوں نے یکم ہجری میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ مدینہ منورہ چونکہ مشترکہ شہر ہے اور اس میں اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہوگا تو سب مل کر مقابلہ کریں گے اور یہودیوں پر بھی اُتنا ہی ضروری تھا شہر کا دفاع جتنا مسلمانوں پر تھا کیونکہ شہر میں رہتے تھے بنونظیر نے بدعہدی کی اور حضور اکرم ﷺ کے قتل کی سازش کی جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کرلیا اور انہوں نے شرط پیش کی کہ ہمیں شہر سے نکلنے دیا جائے تو ہم قلعے کے دروازے کھولتے ہیں چنانچہ بنونظیر کو شہر بدر کر دیا گیا وہ اپنا مال و دولت بھی حضورؐ کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گئے اور باہر جو یہودیوں کے آبادیاں تھیں جیسے خیبر وغیرہ میں اور دوسری آبادیاں تو وہاں کوئی کسی آبادی میں جہاں جہاں تعلقات تھے وہاں سیٹل ہو گئے جا کر رہائش پذیر ہو گئے انہوں نے یہودیوں نے بھی کوششیں تیز کر دیں کہ مشرکین پھر سے حملہ آور ہوں اور پورے جزیرہ عرب کے تمام مشرکین قبائل کو دعوت دی جائے مشرکین مکہ زخم خوردہ تھے منافقین مدینہ نے بھی اُس میں بہت کاوش کی عبداللہ ابن ابی کا دکھ یہ تھا کہ حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے حالات ایسے بن رہے تھے کہ اسے مدینہ کا حکمران تسلیم کرلیا جائے اور اسکی بادشاہت مان لی جائے۔ اسلام کی آمد اور حضورؐ کی تشریف آوری نے اُسکی بادشاہی کا خواب چکنا چور کر دیا اُسے اپنا دکھ تھا اور اُس کا گروہ جو اُس کے ساتھ تھے۔ منافقین جو تین سو کی تعداد میں اُحد سے بھی واپس ہو گئے تھے یہ سارے مل کر سازشوں میں مصروف ہو گئے اور اہل مکہ کو پھر سے ابھارا پھر یہودیوں نے بھی اور اہل مکہ نے بھی تمام جزیرہ نما عرب میں پھر کر مختلف مشرک قبائل کو اپنی تائید و نصرت پہ اور حمایت پہ آمادہ کیا اور سارے لوگ جمع ہو گئے تو کم و بیش سات ہزار کا ایک لشکر جرار بن گیا جس نے ارادہ یہ کیا کہ اب کی بار ایسا حملہ کیا جائے کہ مدینۃ النبی ﷺ صاحب الصلوۃ والسلام کا نشان باقی نہ رہے اسلام کی بات کرنے والا کوئی نہ رہے ہر مسلمان کو اور نبی کریم ﷺ کو معاذ اللہ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے بڑے جوش و جذبے سے روانہ ہوئے جسکی اطلاع مدینہ منورہ بھی پہنچی حضور اکرم ﷺ نے مشاورت فرمائی صورت حال وہی تھی جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایک طرف سے ایک کھلا میدان تھا جس طرف سے فوج داخل ہو سکتی تھی باقی اطراف کہیں یہود کے قلعے تھے کہیں مختلف آبادیاں تھیں مدینۃ النبی

علی صاحبھا الصلوۃ والسلام درمیان میں تھے جہاں نبی کریمؐ جلوہ افروز تھے جہاں آج مسجد نبویؐ ہے یہ تقریباً اُس سارے شہر کے رقبے سے اس میں کچھ زیادہ رقبہ آ گیا ہے موجودہ جو مسجد نبویؐ ہے وہ شہر نور سارا ہی اس کے اندر آ گیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشاورت کی تو بعض حضرات کے مطابق حضرت سلیمان فارسیؓ نے ایک تجویز پیش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں ایک تجویز پیش کروں کہ ہمارے ممالک میں شہر کی حفاظت کیلئے خندق کھودی جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بہت پسند فرمایا آپ خود وہاں تشریف لے گئے اور وہ پورا علاقہ آپ نے سوار ہو کر دیکھا اور خندق کی نشاندہی آپ نے اپنے دست مبارک سے ہاتھ میں چھڑی مبارک تھی جس سے آپ نے نشان لگا کر خندق کی نشاندہی کر دی جو تقریباً کم وبیش تین میل کے قریب اُسکی لمبائی تھی اور چوڑائی اتنی تھی کہ کوئی گھوڑا اچھلانگ نہ سکے گہرائی اتنی تھی کہ کوئی بندہ اُس میں اُتر کر پار نہ چڑھ سکے بعض کے مطابق دس گز گہری اور تیس فٹ چوڑی تھی چنانچہ آپؐ نے مختلف مجاہدین کے ٹکڑے بنا کر آٹھ دس صحابہ کرامؓ کو وہ رقبہ تقسیم کر دیا اور ہر کوئی اسکی کھدائی میں لگ گیا مورخین کے مطابق تین ہفتوں میں وہ خندق تیار ہوگئی۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شمولیت اختیار فرمائی یا خود آپؐ نے خندق کھودنے میں شراکت فرمائی بلکہ ایک جگہ ایک چٹان سنگ مرمر کی آ گئی جو بہت سخت ہوتا ہے اور ضربیں لگا لگا کر ٹوٹ نہیں رہی تھی تو عرض کی گئی بارگاہ رسالت میں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ہم تو جو لکیر آپ نے لگا دی اسے تبدیل نہیں کر سکتے لیکن اگر آپ پسند فرمائیں اور وہاں سے خندق میں تھوڑا سا اس طرح بل دیدیں کہ وہ چٹان ایک طرف رہ جائے اور خندق دوسری طرف اتنی بڑھا دی جائے آپؐ نے پسند نہیں فرمایا۔ فرمایا جہاں پہ لائن لگ گئی ہے لکیر لگا دی گئی ہے وہیں خندق انشاء اللہ تیار ہوگی آپؐ خود بنفس نفیس تشریف لے گئے آپ نے اُس چٹان پہ ضرب لگائی تو روشنی کا ایک شعلہ بلند ہوا آپؐ نے دوسری ضرب لگائی اُسی طرح روشنی کا شعلہ بلند ہوا تیسری ضرب لگائی تو روشنی کا شعلہ بھی بلند ہوا اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی اور آپؐ نے فرمایا کہ میں نے ان روشنی کے شعلوں میں یمن کے خزانے۔ قیصر کے خزانے اور کسریٰ کے خزانے دیکھے ہیں جن کے ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہونگے اور یہ خزانے مال غنیمت میں آئیں گے منافقین نے جب آپ کا یہ ارشاد سنا تو انہوں نے کہا غرھٰؤلاء دینھم. ان لوگوں کو ان کے مذہب نے بڑی غلط فہمی میں ڈال رکھا ہے انہیں جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اب یہ پتہ نہیں کل کا سورج بھی دیکھیں گے کہ نہیں سارا جزیرہ نما عرب یلغار کر کے آ رہا ہے انہیں نیست و نابود کر دیگا اور یہ یمن اور قیصر اور کسریٰ کی فتح کی باتیں کر رہے ہیں لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ آپ کا ارشاد حق تھا اور یمن کے خزانے قیصر کے خزانے اور کسریٰ کے خزانے مال غنیمت میں مدینہ منورہ لائے گئے اور زر و جواہرات کے گلیوں میں بھی ڈھیر لگ گئے عہد فاروقی میں یہ خزانے فتح ہو کر مدینہ منورہ میں مال غنیمت کے طور پر تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ جب خندق تیار ہوگئی اور مشرکین مکہ پہنچے تو بہت بڑا لشکر تھا سات ہزار سے زائد کا لشکر تھا جن میں بیشمار سوار پیادے اونٹ راشن ہر شے بہت تھی لیکن پہلی دفعہ عرب میں انہوں نے خندق دیکھی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابوسفیان نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چٹھی لکھی کہ آپ یہ خندق کھود کر اس میں اندر بیٹھ گئے ہیں یہ طریقہ آپ کو کس نے بتلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے یہ بات سکھائی میرے پروردگار نے یہ طریقہ مجھے الہام فرمایا ہے تو بہر حال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے حضرت سلیمان فارسیؓ کو یہ پیغام پہنچانے کا سبب بنا دیا ہو چنانچہ کفار کا لشکر خندق کے باہر رک گیا۔ مسلمانوں کی تعداد غزوہ خندق میں یا جسے غزوہ احزاب

بھی کہتے ہیں بہت سے لشکر جس میں جمع ہو گئے تین ہزار تھی اور تین میل خندق لمبی تھی اب اُس میں مختلف ٹکڑیوں میں حضور نبی کریم ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کو بانٹ دیا تھا آٹھ آٹھ دس دس کی ٹولیوں میں جہاں سے کوئی خندق عبور کرنے کی کوشش بھی کرتا یا خندق کے کنارے آتا تو مسلمان تیز اندازوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ بعض لوگوں نے مشرکین میں سے جذبے میں آ کر اپنے گھوڑے خندق سے پار اچھالنے کی کوشش کی بعض نے گھوڑوں کو چھلانگیں بھی لگوائیں لیکن بعض تو خندق میں گر کر مر گئے کچھ چند جن کے گھوڑے پار پہنچ گئے انہیں مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے لہٰذا پھر انہوں نے یہ کوشش چھوڑ دی کیمپ لگا کر بیٹھ گئے اور یہ پانچ ہجری کا شوال المکرّم تھا بیٹھے بیٹھے اُسی اثناء میں مختلف باتیں چلتی رہیں۔ مسلمان جاسوس بھی مشرکین کے لشکر میں حضورؐ کے حکم سے گھومتے رہے موسم سردیوں کا تھا اور سخت سردی تھی ایک صحابیؓ کو حضور ﷺ نے مقرر فرمایا کہ خبر لاؤ قریش کے لشکروں کی کیا سوچتے ہیں وہ فرماتے ہیں سخت سردی تھی اور میرے پاس پورا لباس بھی نہیں تھا لیکن جیسے ہی حضورؐ کا حکم لے کر میں نکلا تو میں نے سمجھا کہ مجھے کوئی سردی نہیں لگ رہی، مشرکین کے لشکر میں پہنچا تو ابوسفیان نے اُس وقت لوگ جمع کر رکھے تھے اور مشورہ کرنا چاہ رہا تھا تو سب سے پہلے اُس نے کہا کہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑ لو کوئی جاسوس تو نہیں ہے وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی کو سب سے پہلے پکڑ لیا کہ تم کون ہو بتاؤ تو اس طرح سے میں بچ گیا تو میں نے اُن کی باتیں سنی تو وہ بددل ہو رہے تھے کہ بیس دن سے زائد ہو گئے ہیں ہمیں یہاں بیٹھے بیٹھے مزید راشن ہم تک پہنچ نہیں رہا چونکہ پیچھے سے جو راشن آتا تھا مسلمان چھاپہ مار دستے وہ لوٹ لیتے تھے کفار تک راشن پہنچنا بند ہو گیا تھا جو پاس تھا وہ ختم ہونے کے قریب تھا سردی تھی کہ دم نہیں لینے دیتی تھی ساتھ یہود کا وہ بڑا قبیلہ بنو قریظہ جو ابھی تک مدینہ منورہ میں پشت پر موجود تھا اور جن سے معاہدہ تھا حضور نبی کریم ﷺ کا انہوں نے بد عہدی کی اور مشرکین کے ساتھ ساز باز شروع کر دی کہ اُدھر سے تم حملہ کرو پیچھے سے ہم حملہ کر دیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اسکا حل یوں فرمایا کہ بعض نوجوان نومسلم صحابہ کو جنکے بارے یہود کو علم نہیں تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں اس کام پر مامور فرمایا کہ مشرکین اور بنو قریظہ میں تفریق ڈال دی جائے وہ بنو قریظہ کے پاس گئے اور اُن کے سرداروں سے ملے اور اُن سے بات کی کہ ہم بھی مسلمانوں سے نالاں تو ہیں انہوں نے آ کر ہم پر یہاں خواہ مخواہ اپنی حکومت قائم کر لی اور تم بہت اچھا کر رہے ہو جو مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملے کی سوچ رہے ہو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ مشرکین کی فتح یقینی نہیں ہے جنگ میں دونوں باتوں کا امکان ہوتا ہے فتح کا بھی شکست کا بھی اگر مشرکین کو شکست ہو گئی تو وہ تو بھاگ جائیں گے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبائل میں چھپ چھپا کر مکہ چلے جائیں گے دوسری آبادیوں والے اپنے گھر چلے جائیں گے تم کہاں جاؤ گے تو تم تو مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے لہٰذا جنگ میں شامل ہونے سے پہلے بہتر ہے کہ قریش کے کچھ اہم آدمی اپنے پاس بطور یرغمال رکھ لو کہ اگر قریش کو شکست بھی ہو تو وہ تمہاری خبر گیری کریں اور بھاگ کر تمہارے قلعوں میں آ جائیں بھاگ کر واپس نہ جائیں تا کہ تمہارے پاس ایک قوت ہو اور انہیں یہ بات پسند آ گئی وہی لوگ قریش کے لشکر میں پہنچے اور اُن سے کہا کہ بھائی ہم تو مدینے کے رہنے والے ہیں اور ہم تنگ ہیں اس بات سے کہ مکے سے آ کر انہوں نے ہم پر حکومت قائم کر لی اور ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ تم بنو قریظہ سے بات چلا رہے ہو لیکن یاد رکھو بنو قریظہ نے مسلمانوں سے بھی ساز باز کر لی ہے اور وہ سوچ رہے ہیں کہ تمہارے کچھ اہم آدمی گرفتار کر

کے مسلمانوں کو دیدیں تاکہ وہ خود مسلمانوں کے غیض وغضب سے اپنے آپ کو بچاسکیں تو اس بات سے ہوشیار رہنا' اب یہ بات اُدھر بھی انہوں نے پہنچادی اتنے میں بنو قریظہ کا وفد آ گیا کہ جناب ہم آپ کا ساتھ تو دیں گے۔ ہم لڑیں گے تو سہی لیکن آپ ہمارے پاس یرغمال کے طور پر اپنے کچھ اہم آدمی بھیج دیں تاکہ ہمیں یہ یقین ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں مشرکین کے دل میں بات کھٹکی کہ بات تو وہی نکلی یہ ہمارے آدمیوں کو لیکر مسلمانوں کے ہاتھ دینا چاہتے ہیں چنانچہ اُن میں آپس میں بھی پھوٹ پڑ گئی تو قریش اور بد دل ہوئے' اوپر سے اللہ کریم نے طوفان بھیج دیئے بارش کا طوفان۔ آندھی کا طوفان خیمے اڑنے لگے ہنڈیاں جو انہوں نے چڑھا رکھی تھیں چولہوں پر الٹ گئیں اتنی تیز ہوا تھی اوپر سے بارش تھی۔ سردی بے انداز تھی چنانچہ ابوسفیان نے واپسی کا اعلان کر دیا اور اہل مکہ کو لیکر روانہ ہو گیا اور دوسرے قبائل جو جمع تھے وہ انکی دعوت پر جمع تھے لہٰذا انہوں نے بھی واپسی کی سوچی اور یوں ناکام و نامراد کفار کو واپس بھاگنا پڑا اور حضور ﷺ اور آپ کے رفقاء آپ کے خدام فاتح رہے اور یہ وہ آخری حملہ تھا جو مشرکین نے مسلمانوں پر کیا یہیں وہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وانتم اعلون ان کنتم مومنین. اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے اور اگر تم محمد رسول اللہ ﷺ کے وفادار اور جانثار رہے تو ہمیشہ فتح تمہاری ہی ہوگی انتم اعلون تم ہمیشہ فاتح رہو گے قیامت تک کیلئے اللہ نے اعلان فرما دیا کہ تم ہمیشہ فاتح رہو گے شرط یہ ہے ان کنتم مومنین اگر تم اللہ کے حبیب ﷺ کے وفادار رہے خلوص دل کے ساتھ آپ کی اطاعت کی چنانچہ بڑی بُری طرح سے ہار کر مشرکین وہاں سے ناکام لوٹے اور بیس دن سے زائد یہ محاصرہ چلا جس میں مسلمانوں کے پاس رسد بہت کم تھی لوگوں نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے ایک صحابیؓ نے اپنا کُرتہ اٹھا کر حضور کو دکھایا انہوں نے ایک پتھر پیٹ پر باندھ رکھا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اپنا شکم مبارک دکھایا تو حضورؐ نے دو پتھر باندھ رکھے تھے اور وہاں جہاں جہاں سالار اور امیران لشکر کے قیام تھے جبل سلا کے دامن میں حضور نبی کریم ﷺ کی کمانڈ پوسٹ جہاں تھی وہاں مساجد بنا دی گئیں آج بھی وہ مساجد زائرین اور حجاج کرام کو اُن جگہوں کا پتہ دیتی ہیں جہاں جہاں حضورؐ جلوہ فروکش تھے۔ چنانچہ جانثاری کے عجیب وغریب مناظر اس میں دیکھنے میں آئے اور کفار بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ مسلمانوں کو اس میں صرف فتح نہیں ہوئی بلکہ قیامت تک کی فتح کی سند مل گئی اور تاریخ اس بات پہ گواہ ہے کہ اس کے بعد کبھی مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی ہمت نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر کفر اور شرک کا مقابلہ کیا ظلم اور جور و جفا کا مقابلہ کیا اور ظلم کے قلعوں کو مسمار کر کے عدل وانصاف قائم کیا اور اُن لوگوں کی جانثاری اور اُن لوگوں کا خلوص اور اُن لوگوں کا وہ جذبہ جہاد قیامت تک کے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دے گیا قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ نوید سنا دی گئی۔ وانتم اعلون تم ہی فاتح ہو گے آج ہم اگر اپنی اس بے بسی پہ روتے ہیں کہ کفار ہم پہ مسلط ہے تو اُس کا ایک ہی سبب ہے کہ ہم وہ شرط پوری نہیں کر رہے جو فتح کی بشارت کے ساتھ ہے ان کنتم مومنین اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے ایمان کیا ہے؟ خلوص دل سے نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور غلامی خلوص قلب سے دل کی گہرائیوں سے حضورؐ کی غلامی کا نام ایمان ہے آج ہم اطاعت پیغمبر ﷺ کے دائرہ سے اپنے آپ کو باہر لے گئے ہیں اب باہر ہمیں چیل کوے نوچ کھائیں ہم پر آسمانی بجلی گرے یا زمین سے بلائیں اٹھیں کفار ہمیں رسوا کریں یا شیطان ہمیں رسوا کرے اسکی کوئی ضمانت نہیں دی گئی بلکہ حضورؐ کی اطاعت اور غلامی ایک مضبوط قلعہ ہے جس کے

اندر رہتے ہوئے ہم ہر چیز سے محفوظ ہیں بلکہ ظلم وجور ہم سے ڈرتا ہے۔ مسلمان فاتح ہے شرط وفا کے ساتھ اگر شرط وفا میں کمی آ گئی تو وہ بشارت چونکہ مشروط ہے۔

جب شرط چلی جاتی ہے تو مشروط بھی باقی نہیں رہتا تو آج کی جو ہماری کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ ہم آقائے نامدار ﷺ سے عہد وفا پر قائم نہیں ہیں زبان سے کہتے ہیں ہمارا عمل اسکی تصدیق نہیں کرتا ہمارے دلی ارادے، ہماری خواہشات ہماری آرزوئیں اُس وعدہ کا ایفا نہیں کرتیں۔ چنانچہ یہی وہ عظیم غزوہ ہے کہ جسکی واپسی پر پھر فوراً حکم ہوا کہ آپ زرہ مت کھولیے فوراً بنو قریظہ تشریف لے جائیے اور صحابہ بیس دنوں، بائیس پچیس دنوں کے تھکا دینے والے جہاد موسم کی شدت اور بھوک اور پیاس سے تھکے ماندے واپس پہنچے تو حکم ہوا بنو قریظہ پہنچو تو کسی نے ہتھیار نہیں کھولے بلکہ سارے مجاہدین بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے آگے مختلف وہ دوسرا واقعہ ہے لیکن غزوہ احزاب وغزوہ خندق وہ عظیم غزوہ ہے جس میں صحابہ کرام نے جانثاری کی مثالیں پیش کیں ثابت قدمی کی حد کر دی اور حضورؐ کی اطاعت اور آپ کی غلامی میں جان دینے کی مثالیں قائم کیں اور اطاعت پیغمبر ﷺ کا مثالی نمونہ پیش فرمایا تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے وجہ بشارت اور وجہ فتح قائم رہے۔

اللہ کریم آج بھی ہمیں وہ عہد وفا کرنے کی توفیق دیدے آج بھی ہمیں وہ جذبہ دیدے۔ آج بھی ہم خود کو حضور کی غلامی پہ کاربند کرلیں آج بھی فتح ہماری ہے روئے زمین پر فاتح مسلمان ہی ہیں حق کو ہمیشہ فتح نصیب ہوتی ہے اور انشاء اللہ العزیز آپ ﷺ ہی کی پیش گوئی کے مطابق غزوہ الہند آرہا ہے اللہ توفیق دے اور اللہ ہمیں اُس کے شہیدوں اور غازیوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔

☆ ......حضرت امیر المکرّم مدظلہٗ کے ڈرائیور محمد امین جانباز (گوجرانوالہ) کے والد محترم
☆ ......ضلع ننکانہ (چک نمبر ۱۷) چوہدری محمد بشیر کی خالہ وساس۔
☆ ......ضلع ساہیوال (چک نمبر ۱۴۵) چوہدری عبدالرزاق کی ہمشیرہ
☆ ......گوجرہ سے سلسلہ عالیہ کے پرانے ساتھی حکیم محمد اشرف کی اہلیہ
☆ ......گوجرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی نور حسین شاہ۔
☆ ......گوجرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا مبشر ندیم کی ساس۔
☆ ......چمن (قلعہ عبداللہ) سید ظفر اللہ کے والد۔
☆ ......لاہور محمد لطیف (خان گیس والے) کی پھوپھی اور خالہ۔
☆ ......گوجرانوالہ نوید ملک کے والد۔
☆ ......ایبٹ آباد محمد مسکین کی ساس۔
☆ ......ایبٹ آباد (گلزیب نائب ناظم) کے والد اور چچا۔
☆ ......بورے والا میاں عبدالمجید راشد ایڈووکیٹ کی ہمشیرہ۔
☆ ......عبدالحکیم محمد فاروق کے سُسر۔
☆ ......ضلع جہلم صوبیدار عبداللطیف کے والد۔
☆ ......کوہاٹ محمد یوسف (حال اٹک) کی والدہ۔
☆ ......فیصل آباد سے رائے چراغ محمد کی اہلیہ۔
☆ ......فیصل آباد (تاندلیانوالہ) سے محمد بوٹا وقاص۔
☆ ......فیصل آباد (ماناںوالہ) صوفی محمد اشرف۔
☆ ......فیصل آباد (ملک پور) محمد اعظم کے بہنوئی۔
☆ ......فیصل آباد میجر محمد بلال کی والدہ۔

اللہ تعالی مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

جب میں نے ایم ۔اے ۔اسلامیات پارٹ ۔II کے امتحان کی تیاری شروع کی تو تصوف کے پرچے میں سب سے مشکل فلسفہ وحدت الوجود کو سمجھنے میں پیش آئی۔اس سے ملتے جلتے خیالات یونان کے فلاسفرز اور ہندو برہمنوں نے بھی پیش کئے ہیں۔ایسی کیفیات اولیائے کرام کے تذکروں میں بھی ملیں اور صوفیائے کرام کی تعلیمات میں بھی۔مقدمین اور متاخرین کے خیالات کو پڑھنے کے بعد میرے پلے کچھ نہ پڑا۔جس کو بھی پڑھا الجھن میں اضافہ ہی ہوا۔صورتحال یہ تھی کہ:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔۔۔۔۔مریض عشق پر رحمت خدا کی

یہ فلسفہ صرف امتحانی نقطہ نگاہ سے ہی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ تصوف کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے اسے سمجھنا بھی ضروری تھا۔شیخ مکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ عالی سے بیعت کا شرف 10۔جنوری 2001ء کو ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں مشکل پیش آئے تو حضرت جی کے کسی نہ کسی خطبہ میں اس کا حل ضرور مل جاتا ہے۔چنانچہ فروری ۲۰۰۷ کا ماہنامہ المرشد آیا تو اس میں کسی صاحب نے یہی سوال حضرت جی سے کیا تھا اور حضرت جی کا جواب بھی درج تھا۔جوں جوں پڑھتے گئے ذہن کی گرہیں کھلتی گئیں اور وہ نکتہ جو مقدمین کی تحریروں سے گنجلک تر ہو گیا تھا وہ فوراً سمجھ میں آ گیا۔الحمدللہ۔(امتحانی پرچے میں بھی یہ سوال موجود تھا)

13۔دسمبر 2007 کو حضرت جی کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا تو حضرت جی نے فرمایا کہ ایک بزرگ آئے تھے جنہوں نے کہا کہ انہوں نے اس مسئلہ کے بارے میں بہت پڑھا ہے مگر سمجھ نہیں آئی۔انہیں تو حضرت جی نے یہ فرمایا کہ میاں جس مکتب میں یہ تعلیم دی جاتی ہے تم نے تو اس کا دروازہ تک نہیں دیکھا پھر سمجھ کیسے آئے۔ مجھے حضرت جی نے فرمایا کہ چونکہ بہت سے جویان حق اس فلسفہ کو سمجھتے سمجھتے خود کھو گئے۔تم تحقیق کر کے اس فلسفہ پر روشنی ڈالو۔سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت جی کی یہ بات سن کر فوری طور پر یہ یقین ہی نہیں آیا کہ میں اس قابل ہوں کہ حضرت جی مجھ سے مخاطب ہیں مگر وہ مجھی سے مخاطب تھے۔بلکہ جب میں واپس گھر پہنچا تو حضرت جی کا گرامی نامہ ملا جسے بوسہ دے کر کھولا تو اس میں بھی یہی حکم تحریر تھا۔اب بات یہ نہیں کہ میں اس قابل ہوں یا نہیں۔ جب حضرت جی مدظلہ عالی نے فرما دیا تو راہنمائی بھی وہی فرمائیں گے۔

پروفیسر محمد اسلم گوندل۔ ایم اے انگلش. ڈی. ای. ایل. ٹی

وحدۃ الوجود------کیوں؟

دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وحدۃ الوجود جیسے انتہائی نازک اور اختلافی فلسفہ کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ناچیز اپنی کم علمی و کم مائیگی کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب دینے کی جسارت کرتا ہے۔حدیث قدسی ہے: كُنتُ كَنزً مَخفياً فَاحببتَ اِن اُعرِفَ فَخلقتُ الخلق :

ترجمہ:: "میں ایک مخفی خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے اس لئے میں نے خلقت پیدا کی"

اس مخلوق کا سرتاج اور اپنا نائب حضرت آدمؑ کو بنایا۔اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے اسے سجدہ کروا کر تمام مخلوقات میں اس کے شرف کا اعلان فرمایا۔اب اس جسد خاکی میں مقید روح چونکہ عالم امر سے ہے " قل الرُّوحِ مِن امرِ ربِّی " اس لئے وہ اپنے وطن حقیقی کی طرف مراجعت کرنا چاہتی ہے اور اپنے خالق کی ذات حقیقی کی کشش اسے اس طرح اپنی طرف کھینچی ہے کہ وہ بیقرار ہو کر اس کی تجلیات میں گم ہونا چاہتی ہے، جیسے قطرہ ندی میں، ندی دریا میں اور دریا سمندر میں مل کر اپنی ہستی کو نیستی میں بدل کر امر ہونا چاہتا ہے۔ بقولِ اقبال:

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں
(سزا یہی ہے کہ مجھے مٹا کر اپنی ہستی میں سمو لے)

یا پھر غالب نے کہا تھا:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ خواہش، یہ تڑپ اور یہ لذتِ آشنائی جن ارواحِ زندہ کو بیقرار رکھتی ہے وہ رات کی خلوتوں میں جاگ جاگ کر اپنے مالک کے حضور گریہ وزاری کرتے ہیں اور ایک ہی رات میں پورے قرآنِ مجید کی تلاوت کر جاتے ہیں حتیٰ کہ رات ختم ہو جاتی ہے مگر ان کے ذوق کی تسکین نہیں ہوتی:

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ ذاتی وصفاتی یوں جلوہ فگن ہوں کہ وہ مدہوشی کے عالم میں یہ پکار اٹھیں:

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوئد بعد ازاں، من دیگرم تو دیگری

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول ہی مقصدِ تخلیق آدم ہے اور اسی ہستیِ واحد کی پہچان ہی مقصودِ باری تعالیٰ بھی ہے۔ اسی تڑپ نے عاشقانِ بلند نگاہ اور طالبانِ صادق کو بیقرار رکھا اور انہوں نے اپنے نہاں خانہ دل میں اپنے مالک کو یوں سمویا کہ انہیں بجز اپنے اور کوئی نظر نہ آیا ۔اس راہ میں سالک کو منازل و مقامات، کشف و کرامات، ذکر و فکر، ذوق و شوق، سوز و گداز، علم و انکشاف اور ایسی کیفیات میسر آتی ہیں جن کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست ۔۔۔ کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

یا پھر بقولِ خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی:

نہ وصل بماند و نہ واصل
آنجا کہ خیال حیرت آمد

اور عاشقِ صادق دنیا و مافیہا کو بھلا کر مستِ شرابِ الست ہو جاتا ہے۔

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

قطرہ سمندر سے ملا تو سمندر کہلایا۔ کسی عاشق صادق پر تجلیات صفات باری یوں جلوہ فگن ہوئیں کہ وہ خود تو فنا ہو گیا مگر اسی فنا میں اسے اپنی بقا بصورتِ وجودِ باری محسوس ہوئی۔ ایسے میں کوئی تو نرمی سے بولا: بلھیا کی جاناں میں کون؟ اور کسی نے نعرہ "انا الحق" بلند کر کے سولی پہ چڑھنا قبول کیا تو کسی نے "اعظم وشانی" کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ سزائیں ان کے نشۂ عشق کو دو آتشہ ہی کرتی گئیں کیونکہ 'یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔' قصہ مختصر آپ ایسے عاشقانِ صادق کو پاگل کہیں، مجذوب کہیں، عقل و خرد سے بیگانہ قرار دیں، یا مجنون کے خطاب سے نوازیں، ایسے الوالعزم موجود رہے ہیں اور ہیں جو "یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ" سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ انہیں سولی پہ لٹکایا جائے، ان کا سر قلم کیا جائے، ان کو جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے' انہیں پرواہ نہیں۔ انہیں یہی حسرت رہتی ہے کہ کاش ان کی راکھ ہی کوچۂ یار تک جا سکتی:

بعد از فنا بھی لے نہ گئی کوئے یار میں
کیا بار تھا صبا میرے مشتِ غبار میں

زنانِ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن میں گم ہو کر اپنے ہاتھ

کاٹ لیتی ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا تو حسنِ حقیقی کا نظارہ کرنے والوں کو تلوار کی کاٹ سے کیا خطرہ؟ رَبِّ ارنی کہنے والے اس بات کی پرواہ کب کرتے ہیں کہ جواب میں لن ترانی سننا پڑے گا۔ تجلیاتِ باری خرمنِ دل کو جلا کے راکھ کر دیں تو راکھ سے بھی رَبِّ ارنی کی صدائیں بلند ہوں گی کیونکہ۔ من نمی گوئم اناالحق، یارمی گوئد بگو

لبِ بام بھی پکارا، سرِ دار بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

بات بہت لمبی ہوگئی۔ شیخ مکرم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عاشقانِ باصفا کے اقوال واحوال کی روشنی میں مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں کچھ لکھوں۔ یاد رہے کہ زمانہ قدیم سے نظریہ وحدۃ الوجود کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہا ہے۔ البتہ اس کو پوری شرح وبسط کے ساتھ حضرت علامہ ابنِ عربیؒ نے پیش کیا۔ جب جاہلوں کی محفل میں یہ نظریہ آیا تو اس سے جو گمراہی پھیلی اس کا تدارک کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود :

وحدۃ الوجود کی سادہ اور آسان تعریف کریں تو اس سے مراد ''ایک ہو جانا'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی میں گم ہو جانا۔ اور وحدۃ الشہود سے مراد ''ایک دیکھنا ہے'' یعنی چاروں طرف ''تو ہی تو'' ہے والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ سالک ہر چیز میں جلوہٗ باری تعالیٰ دیکھتا ہے۔ وحدۃ الوجود کی خصوصیت یہ ہے کہ توحید الٰہیٰ کے غلبہ' سرور اور کیفیت کے دوران میں سالک وجدانی طور پر ذات الٰہیٰ میں ایسا محو ومستغرق ہوتا ہے کہ وجودِ باری کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ سالک کے قلب وذہن سے ماسوا اللہ یکسر دور ہو جاتے ہیں اور صرف وجودِ حق کا ادراک واحساس ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اس کیفیت میں سالک کا نعرہ ہوتا ہے۔ '' ہمہ اُوست '' ۔ اس کیفیت کو لوائح جامیؒ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ہمسایہ وہم نشین وہمرہ ہمہ اوست
در دلق گدا واطلس شاہ ہمہ اوست
در انجمن فرق ونہاں خانہ جمع
باللہ ہمہ اوست، باللہ ہمہ اوست

یہاں شاید تفصیل تو بیان کی نہیں جاسکتی مگر صوفیا نے توحید کی جو قسمیں اور درجات بیان کئے ہیں ان کے نام لکھے دیتا ہوں:

اول توحیدِ شریعت، دوم توحیدِ طریقت، (توحید افعالی، صفاتی، ذاتی)، سوم توحید حقیقت (اس کے نو مراتب ہیں)، چہارم توحید معرفت جسے توحید ازلی، ذاتی، قدیمی اور الٰہی بھی کہتے ہیں) بعض صوفیا نے توحید کی قسمیں: وجودی، شہودی، عینی اور ظلی بتائی ہیں۔

متقدمین کے نزدیک وحدۃالوجود:

اب ہم متقدمین کے خیالات کی روشنی میں وحدۃ الوجود کے بارے میں ان کے عقاید کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

یاد رہے کہ کسی نبی یا رسول نے وحدۃ الوجود کی نہ تو تعلیم دی اور نہ ہی ایسا کوئی دعویٰ کیا۔ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے اپنے اس فرضِ منصبی کو کما حقہٗ ادا کیا۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین تک کے ادوار کو خود نبیِ رحمت ﷺ نے خیر القرون فرمایا ہے۔ اس کے بعد جب معرفت الٰہی کے حصول کے لئے سخت مجاہدہ کی ضرورت پیدا ہوئی تو طالبان حق نے اس راہ پر چلتے ہوئے مختلف منازل طے کیں۔ انہیں منازل میں کوئی ایک کیفیت سے دوچار ہوا تو کوئی کسی دوسری کیفیت سے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کیفیات کا احساس

صرف صاحبِ کیفیت کو ہی ہوتا ہے۔ اسے بانٹا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ سالکانِ راہِ حق نے اپنی اپنی کیفیت کے مطابق ذات حق کا ادراک کیا اور اسے بیان کیا۔ صوفیائے کرام کی فہرست میں ایسے بہت سے نام ملتے ہیں جو وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ اگرچہ ان کے احوال و درجات میں بھی تفاوت ہے۔

ا۔ شیخ اسلام ابو اسماعیل عبداللہ الانصاری الہروی متوفی 481ھ وحدۃ الوجود کے قائل تھے وہ اپنی کتاب "منازل السائرین" کے باب "الاتصال" میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ: "تیرا درجہ اتصال لوجود کا ہے۔ اس اتصال کے محض نام اور اشارہ کے سوا ہم اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ نہ اتصال کی صفت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ مقدار کو" اسی کتاب کے "باب الفناء" میں فرماتے ہیں۔ فنا کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ علمی اعتبار سے فنا کا ہے۔ وہ اس طرح کہ معروف یعنی ذات باری کی معرفت میں فنا ہو جائے۔ دوسرا درجہ فنا مجدا کا ہے اور وہ اس طرح کہ جو کچھ طالب دیکھے وہ معاین یعنی خدا میں فنا ہو جائے۔ اور تیسرا یعنی آخری درجہ حقیقی فنا کا ہے اور وہ اس طرح کہ طالب وجود میں فنا ہو جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے منازل السائرین کی شرح لکھی اور تاویلیں کر کے وحدۃ الوجود کو وحدۃ الشہود بنا دیا۔

وحدۃ الوجود اور حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ، حضرت با یزید بسطامیؒ، حضرت شبلیؒ :

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ نے جب کہا "لیس فی الجُبۃِ الّا اللہ" تو ظاہر ہے ان پر بھی اس وقت کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہو گی جس میں تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری والا معاملہ ہوتا ہے۔ اور ابو علی دقاق بھی اسی کیفیت میں ہوں گے جب انہوں نے کہا: ترجمہ: "میں نے تجھے دیکھ لیا ہے اسی لیئے تو میں تمہیں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو بیچ کر تمہیں خریدا ہے۔" حضرت بایزید بسطامیؒ پکارے: سبحانی ما اعظم وشانی۔ حضرت شبلیؒ نے برسرِ منبر کہا: انا اقول وانا اسمع وھل فی الدارین، غیری (میں کہتا ہوں اور میں سنتا ہوں۔ بھلا میرے سوا دونوں جہانوں میں کون ہے؟)

طوالت کے ڈر سے دیگر بہت سے صوفیائے کرام کا حوالہ نہیں دیا جا رہا۔ اگر اس موضوع پر کتاب لکھنے کا حکم ہوا تو اس میں دیگر صوفیا کرام کے حوالہ جات موجود ہوں گے۔

وحدۃ الوجود اور حضرت ابنِ عربیؒ

ہم باقی متقدمین کو چھوڑ کر حضرت شیخ اکبر محی الدین محمد علی الھاتمی الاندلسی الدمشقی المعروف بہ حضرت ابنِ عربیؒ کی طرف آتے ہیں کہ وہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے نظریۂ وحدۃ الوجود کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اسی بات کی طرف شروع میں بتایا گیا ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے لئے ایسے الفاظ اور تراکیب استعمال کی گئی ہیں جن کو سمجھ لینا عوام تو کجا خواص کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔

حضرت ابن عربیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف فصوص الحکم کے فصِ حکمۃ قدوسیہ فی کلمۃ ادریسیہ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: "پس حق تعالیٰ بذاتہ علی ہے۔ باضافت علی نہیں۔ کیونکہ اعیان ثابتہ و معلومات الٰہیہ جن کو وجود خارجی نہیں، ہنوز ختم عدم میں ہیں۔ ان کو وجود خارجی کی ہوا تک نہیں لگی۔ پس اعیان ثابتہ باوجود موجودات خارجیہ میں متعدد معلوم ہونے کے ہنوز اپنے عدم اصلی پر ہیں۔ اور ذات جو مجموع صور میں تجلی ہے۔ مجموع اور کثرت سے بحیثیت تقدئی ظاہر ہے اور مجموع اور کثرت میں بحیثیت اطلاق باطن ہے۔ اگرچہ خلق، خالق، سے متمیز ہے۔ مگر حقیقت و وجود کے لحاظ سے

ایک ہی شے خالق بھی ہے۔اور مخلوق بھی۔اور وہ مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔تمام مخلوقات ایک ہی عین حقہ سے ہیں؟ نہیں۔بلکہ وہی عین وذات واحد حقہ اعیان وذوات کثیر میں نمایاں ہے۔"

اتصال وجود کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے حضرت ابنِ عربیؒ فص حکمتِ مہیمیۃ کلمہ ابراہیمیہ میں فرماتے ہیں: ترجمہ: "مرزوقین کی غذا رزق سے ہوتی ہے۔رزاق ذاتِ مرزوق میں یعنی کھانے والے تن میں اس طور سرایت کرتا اور داخل ہوجاتا ہے کہ کوئی عضو بغیر سریان غذا کے باقی نہیں رہتا۔اسی طرح حضرت خلیل اللہ تمام مقامات الہیٰ میں سرایت کر گئے۔ کیفیت کچھ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ:

وَ لَیسَ لہ' سِوایٔ کَرنِی   فنحنُ لہٗ کَنحنُ لَنا

ترجمہ: 'پس اگر حق تعالیٰ ظاہر ہو۔تو مخلوق اسی میں پوشیدہ ہے اور تمام مخلوقات حق تعالیٰ کی صفات واسماء (کے مظاہر) ہیں۔یعنی سمع اور بصر اسی کی ہوگی۔اور یہ مخلوقات مجموعی طور پر نسبتیں اور حق تعالیٰ کی ادراکات ہوگی۔لیکن اگر مخلوق ظاہر ہو تو حق تعالیٰ مخلوق میں پوشیدہ اور باطن ہوگا۔پس حق تعالیٰ مخلوق کی سمع، بصر اور اسکے پاؤں اور ساری قوتیں ہوگا جیسا کہ خبر صحیح میں آیا ہے۔پھر اگر حق تعالیٰ کی ذات ان نسبتوں سے عاری ہوتی تو حق کی ذات معبود نہ ہوتی۔یہ وہ نسبتیں ہیں جن کو ہماری اعیان نے پیدا اور ظاہر کیا۔تو اس لئے ہم نے ذات مطلق کو اپنی عبادت کے سبب معبود گردانا۔حق تعالیٰ تب تک نہیں پہچانا جاتا جب تک ہم نہ پہچانے جائیں۔حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔اور حضور ﷺ ہی مخلوقات میں دانا ترین ہیں'۔(فصِ کلمہ ابراہیمیہ) ترجمہ: 'پس ہم کہتے ہیں جان لے تو اے سالک۔کہ جس چیز کو ماسوی اللہ کہا جاتا ہے اور یا اسے عالم کہتے ہیں تو وہ بہ نسبت حق تعالیٰ سایہ کے مانند ہے۔جیسے کسی شخص کا سایہ ہوتا ہے۔پس وہ ماسویٰ اللہ اور عالم اللہ تعالیٰ ہی کا سایہ ہے۔'(فصِ یوسفیہ)

'بحثیت مجموعی تمام موجودات حق تعالیٰ کی صفات کے مظاہر ہیں جو ہر اول مظہر صفات ذات ہے۔جیسے علم وقدرت اور اسی طرح عقول ونفوس، افلاک، ستارے۔طبائع سب مظاہر صفات افعال ہیں جیسے ایجاد، اعدام، احیاء اور امانت وغیرہ'

حضرت ابنِ عربیؒ فص حکمتِ کلمہ اسماعیلیہ میں اعتبارات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اب تجھ کو دو معرفتیں حاصل ہوں گی۔ایک معرفت نفس ورب کی باعتبار تیرے نفس کے۔اور دوسری معرفت نفس ورب کی باعتبار رب کے اور اس کے مظہر ہونے کے۔یہ معرفت باعتبار تیرے نفس کے نہ ہوگی۔ فانتَ عبد و انتَ رب ----لمن لہٗ فیہ انتَ عبد

تو بندہ ہے اور تو رب سے جدا نہیں ہے۔کس کا بندہ جس سے تو نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہہ کر اقرار عبدیت کیا ہے۔وجود اور احدیت میں تو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی موجود رہا ہی نہیں۔پس یہاں نہ کوئی ملا ہوا ہے نہ کوئی جدا ہے۔دوئی کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔دلیل کشف وعیان اسی کو ثابت کرتی ہے۔لہذا میں جب اپنی دو آنکھوں سے گھور گھور کر خوب غور سے دیکھتا ہوں تو اس کی ذات کے سوائے کچھ نہیں دیکھتا۔" باقی فصوص کو چھوڑ کر میں اپنی بات حضرت ابنِ عربیؒ کے اس قول پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے فصِ حکمتِ کلمہ لوطیہ میں فرمائی ہے: ترجمہ: سرِ نفس الامر اور قدر ظاہر اور واضح ہوگیا۔اور کثرت میں وحدت داخل ہوگئی۔عالم میں حق کے جلوے ہیں۔ہر جفت میں واحد ہوتا ہی ہے۔اعداد کا دارومدار واحد ہی پر ہے۔" اس طرح حضرت ابنِ عربیؒ کے فلسفہ کے

مطابق " ہمہ اوست " موجود ہے اور باقی معدوم ہے۔

وحدۃ الوجود کو بنیاد بنا کر ھندوانہ تعلیمات کی آڑ میں آواگون، تناسخ اور حلول کے مشرکانہ عقائد

اتحاد حلول" : سچی بات تو یہ ہے کہ متقدمین اور حضرت ابنِ عربیؒ نے نظریہ وحدۃ الوجود کو ایسے الفاظ میں پیش کیا جو ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا تھا مگر جاہلوں نے وحدۃ الوجود کو بنیاد بنا کر ہندوانہ تعلیمات کی آڑ میں آواگون، تناسخ اور حلول کے مشرکانہ عقائد کو تصوف کے پاکیزہ علم میں داخل کر دیا۔ عقیدہ وحدۃ الوجود کی ترویج کا نتیجہ شریعتِ اسلامی کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہوا۔ یہ کیفیت جو استثنائی صورت میں معدودے چند حضرات کو ہی حاصل تھی جب عوام تک پہنچی تو اکبر کے عہد حکومت میں دین الٰہی کی بنیاد بنی۔ اسی سے ہندوؤں کے عقیدہ حلول کو تقویت ملی۔ عیسائی مشنریوں کے عقیدہ تثلیث کے ثبوت کے لئے بھی یہی پیش کی جانے لگی۔ بلکہ نبوت کے جھوٹے دعویدار بھی ظلی نبی اور کبھی حلولی نبی ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ غرضیکہ اکبر اور جہانگیر کے دور میں ہندوؤں کے زیرِ اثر اسلامی شعائر کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جانے لگا۔ بد قسمتی سے برصغیر ہند میں صوفیوں کے ایک گروہ نے ہندوؤں کے ویدانتی فلسفہ سے متاثر ہو کر غیر اسلامی و غیر شرعی فاسد نظریات کی تبلیغ و اشاعت مسلمانوں میں شروع کر دی۔ انہیں میں سے بعض نے وحدۃ الوجود کے نظریہ کو بنیاد بنا کر "اتحاد حلول" کا نظریہ پیش کر دیا۔ اور اس طرح گمراہی پھیلانا شروع کر دی۔ ہر کس و ناکس دعویٰ کرنے لگا کہ عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے۔ زمین و آسمان، شجر و حجر، نباتات و جمادات غرضیکہ سب کچھ خدا ہی ہے (معاذ اللہ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد

اس انتہائی خطرناک صورتحال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو یہ سعادت بخشی کہ وہ اس گمراہی کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے اور اپنے متعدد مکتوبات میں اس گمراہ کن عقیدہ کو الحاد و زندقہ قرار دیا۔ آپ نے شریعت کی بالادستی کے لئے جو جہاد شروع کیا اس میں آپ کو نہ صرف ہندوؤں بلکہ نام نہاد صُوفیا کی ایک بہت بڑی تعداد کی مخالفت کا بھی سامنا تھا۔ درباری ملاؤں نے الگ آپ کے خلاف سازشیں کیں حتیٰ کہ آپ کو گوالیار کے قلعہ میں برسوں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

وحدۃ الشھود:

توحیدِ خالص کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا:

ترجمہ: ایک توحید شہودی اور دوسری توحید وجودی۔ توحید شہودی ' ایک دیکھنا ' ہے یعنی ایک کے سوا سالک کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اور توحید وجودی ایک کو موجود جاننا اور اسی کے غیر کو نابود سمجھنا اور غیر کو معلوم جاننے کے باوجود اسے ایک مظہر اور جلوہ خیال کرنا ہے۔ پس توحید وجودی علم الیقین کی قسم ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے ہے۔ ' (مکتوباتِ امامِ ربانی جلد اول مکتوب ۴۳)

عقیدۂ وحدۃ الوجود کا رد کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خان

جہان کے نام اپنے مکتوب (مکتوب نمبر 67 جلد دوم) میں تحریر فرمایا:

"حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے۔ نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے"

وحدۃ الوجودی صوفیا کی ایک کثیر تعداد نے شریعت کو طریقت کے تابع کر کے تصوف کے نام پر بہت سی بدعات رائج کر لی تھیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات (مکتوب نمبر 221 -جلد اول) میں ان عبادتوں اور ریاضوں کی پرزور مخالفت کی جن کو صوفیاء نے سنت نبوی اور شریعت سے ہٹ کر اختیار کیا تھا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ترجمہ:

"وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی پیروی سے ہٹ کر اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی، برہمن اور یونان کے فلاسفر بھی اس امر میں شریک ہیں۔" (مکتوباتِ امام ربانی جلد اول مکتوب 121)

آپ نے زور دے کر کہا کہ سنت کو لازم پکڑنا چاہیے۔ احکام شرعیہ کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہ دیں۔ نفس کو چھوڑ کر فص کی طرف نہ جائیں۔ آپ نے "ہمہ اوست" کی بجائے "ہمہ از اوست" کی تلقین کی۔ آپ نے زور دے کر کہا کہ ہر مسلمان کو اپنے عقائد کتاب و سنت کے مطابق درست کرنے ضروری ہیں۔ بعض نام نہاد عارف شرعی احکام کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر جو بھی ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل ہے۔ شریعت کی پابندی کے بغیر اعمال کا احتساب اور قلب کی سلامتی ناممکن ہے۔ احوالِ باطنی کا احکامِ شریعت سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔"

بدقسمتی سے دارا شکوہ اور اس کے حواری دانشوروں نے بھی وحدۃ الوجود کی آڑ میں "ہمہ اوست" کے نظریہ کا کھلم کھلا پرچار شروع کر دیا۔ خوشامدی درباریوں نے دارا شکوہ کو یقین دلایا کہ وہ تصوف کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور "فنافی اللہ" کے مرتبہ پر فائز ہے۔ چنانچہ دارا نے شریعت ترک کی اور کہا کہ جب وہ "فنافی اللہ" کے درجے پہ پہنچ چکا ہے تو پھر اپنی ہی عبادت کیوں کروں؟ اسی طرح کے عقائد سرمد کے بھی تھے جو وحدتِ ادیان کا قائل تھا۔ اس نے بھی الوہیت کا دعویٰ کیا جس کی پاداش میں اسے اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں قتل کیا گیا۔

ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائدِ فاسدہ کی بنیاد کتاب و سنت ھی پر رکھتا ھے

شیخ احمد سرہندیؒ نے علم جہاد بلند کر کے اسلام اور پیروان اسلام کی زندگی کو مشرکانہ رسوم۔ ملحدانہ عقائد اور غیر شرعی رجحانات سے پاک وصاف کیا تھا اور ایک بار پھر کتاب وسنت کے احکام کی تجدید کی۔ ان کی تعلیم تھی کہ ہر مسلمان خواہ بادشاہ ہو یا ادنیٰ رعایا، عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، عارف ہو یا سالک اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق درست کرے۔ کتاب وسنت سے جو علوم مستعار ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو بزرگوں نے سمجھا اور اخذ کیا۔ ورنہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائدِ فاسدہ کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر رکھتا ہے۔ پس قرآن وحدیث سے جو شخص جو معنی سمجھے وہ سب معتبر نہیں۔ اعتقاد صحیح وہی ہے جس کو علماء اہل سنت نے کتاب وسنت وآثار سلف سے سمجھا ہو۔ اگر بالفرض کشف والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی معلوم ہوں تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہیے۔ نجات ابدی اور فلاح سرمدی اسی میں ہے کہ ان ہی علماء کا متبع رہا جائے جنہوں نے صحابہ اکرام اور سلف صالحین کے سرچشمہ ہدایت

سے فیض اٹھایا ہے۔بعض عارف شرعی احکام کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔مگر جو عارف ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل ہے۔عبادت کی جتنی ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو اس کے دسویں حصہ کی بھی حاجت نہیں۔شریعت کی پابندی کے بغیر اعمال کا احتساب اور قلب کی سلامتی ناممکن ہے جو شخص باطن کو درست کرتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑ دیتا ہے وہ ملحد ہے۔اگر اس کو کچھ باطنی احوال حاصل ہوں تو اس کے حق میں استدراج ہے۔احوال باطنی کا احکام شریعت سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ اگر علوم لدنیہ کی مطابقت صریح علوم شرعیہ سے نہیں تو ایسے تمام علوم کو حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے۔طریقت سے ہٹ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے لوگ کرتے ہیں ان کا کچھ وزن اور اعتبار نہیں۔ایسی ریاضتیں تو یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہیں۔لیکن انہیں گمراہی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اپنے ایک اور مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: 'تیسرا گروہ وحدۃ الوجود کا قائل ہے۔یعنی خارج میں فقط ایک ہی 'ذات' موجود ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور عالم کا خارج میں علمی ثبوت کے سوا ہرگز کوئی ثبوت ثابت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اعیان نے وجود کی بو نہیں سونگھی۔اور اگرچہ یہ لوگ بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل کہتے ہیں۔لیکن کہتے ہیں کہ ان کا ظلی وجود صرف مرتبہ حس میں ہے مرتبہ نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔اور حق تعالیٰ کی ذات کو صفات وجوبیہ اور امکانیہ سے متصف جانتے ہیں اور مراتب تنزلات ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میں ذات احد کو اس مرتبہ کے لائق احکام سے متصف کرتے ہیں۔اور متلذذ اور متالم اسی ذات کو جانتے ہیں۔لیکن اس محسور متوہمہ ظلال کے پردہ اور عقلی اور شرعی طور پر بہت سے محظورات یعنی اشکال ان پر وارد ہوتے ہیں۔جن کے جواب میں بہت سے حیلے اور تکلف کرتے ہیں۔اگرچہ یہ لوگ اصل وکمال کے درجات کی تفاوت کے موافق واصل وکامل ہیں۔لیکن ان کی باتیں خلقت کو گمراہی اور الحاد کی طرف رہنمائی کر کے زندقہ تک پہنچا دیتی ہیں۔" (مکتوباتِ ربانی۔جلد اول۔مکتوب ۱۶۰)

وجودیہ کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے:

'وجودیہ کے نزدیک عالم کی حقیقت اسماء وصفات ہیں جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے اور اس سے عالم کے وجود کو خیال پیدا ہوا۔جس کی تعبیر کبھی یوں کرتے ہیں کہ وہ معدوم محض ہے۔مگر ساتھ ہی احکام کا مورد ہے اور کبھی یوں کرتے ہیں کہ وہ عین حق ہے اور دونوں کا حاصل ایک ہے۔اور شہودیہ کے نزدیک عالم کی حقیقت عدمات جن پر اسماء وصفات نے تجلی کی۔جس سے وجود ظلی پیدا ہوا۔اس لئے وہ عالم کو نہ معدوم سمجھتے ہیں اور نہ حق۔' (تجدید تصوف وسلوک۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

وحدۃ الوجود کے حق میں پیش کی جانے والی احادیث اور بعض صوفیا کی رائے:

ترجمہ: یعنی قیامت کے روز حق تعالیٰ پوچھے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار ہوا تھا تو تو نے میری عیادت نہ کی۔اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا سو تو نے مجھے نہ کھلایا۔اے ابن آدم میں تجھ سے پانی مانگا تھا سو تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا۔(حدیثِ قدسی)

ترجمہ: 'رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قربت اور نزدیکی کا خواہاں ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔اس کے ہاتھ ہو

جاتا ہوں جن سے وہ چیزیں پکڑتا ہے۔اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اس کی ٹانگیں (پاؤں) ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔پس میرے ہی ذریعے سنتا ہے، میرے ہی ذریعے دیکھتا ہے، میرے ذریعے چیزیں پکڑتا ہے، میرے ہی ذریعے بولتا ہے اور میرے ہی ذریعے چلتا ہے' (حدیثِ قدسی)

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

' وہ حیات جس کا مدار سانس لینے پر ہو۔تو سانسوں کے ختم ہونے سے ایسے شخص کی موت واقعہ ہو جاتی ہے۔مگر وہ حیات جو خدا کے ساتھ وابستہ ہو۔طبعی حیات سے انتقال کر کے حقیقی اور اصلی حیات کا روپ دھار لیتی ہے اور فی الحقیقت حیات اسی کو کہتے ہیں'۔

درحقیقت توحید وجود کے قائلین فرماتے ہیں کہ اعیان ثابتہ (صور علیمہ) علم الٰہی میں موجود ہیں اور اس محل میں حق تعالیٰ کی ذات اقدس کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں۔چنانچہ یہ حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہی عین وجود اور ذات عالم ہے کوئی اور نہیں۔یعنی مراد یہ کہ تمام کے تمام موجودات اسی ایک ہی ذات واجب الوجود سے موجود ہوئے ہیں اور ذات میں ذات کے بغیر کوئی چیز موجود ہی نہیں سکتی۔نہ تسلیم کی جاسکتی ہے۔

' قرآنی تصوف اور اقبال' کے مؤلف ڈاکٹر عبدالغنی نے حضرت شاہ نیاز احمدؒ کا نظریہ یوں بیان کیا ہے۔ترجمہ:' وحدۃ الوجود یہی ہے کہ وجود کو ذات بحت کی ہستی کے معنوں میں لیا جائے۔مگر یہ (وجود) نہ تو زائد بر ذات ہے اور نہ ہی اس کو عارض ہے۔بس وہی یکتا ذات ہے جس کو' موجود' کہا جاتا ہے جو قبل از ظہور پردۂ غیب میں مخفی تھا اور بے چونی اور بے چگونی سے موسوم اور بے نامی اور بے نشانی سے موصوف تھا۔جونہی اس نے (خود) پسند فرمایا کہ اس کی ذات معلوم و معروف ہو تو رنگا رنگ لباس پہن کر اپنے خانہ غیب سے ہو کر انجمن شہادت میں ظہور فرمایا پس اس ذات مطلق اور ہستی ذات بحت (جو ھُو سے عبارت ہے) نے مرتبہ اطلاق سے لاہوت۔جبروت۔ملکوت اور ناسوت میں نزول اجلال فرمایا۔چنانچہ اسی ذات واحد الوجود کے بغیر اور کوئی بھی موجود نہیں۔بس صرف اسی کی ذات موجود ہے جس نے ہزار ہزار شیون میں ظہور فرمایا ہے'۔

وحدت الوجود اور وحدت الشھود کے بارے میں شیخ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ عالی سے سوال اور اس کا جواب:

سوال۔اہل تصوف کے دو نظریات وحدت الوجود اور وحدت الشھود کا کیا مطلب ہے۔وضاحت فرمائیے۔

(بحوالہ ماہنامہ المرشد فروری اور مارچ ۲۰۰۷ء)

جواب۔ صوفیا کے مختلف مراقبات اور مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔جس طرح علوم ظاہری میں اسباق چلتے ہیں اُسی طرح کیفیات باطنی بھی سبق در سبق چلتی ہیں اور اُن کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔جن دوستوں کے اسباق ہیں وہاں تک اور جنہیں مشاہدہ ہے اندازہ فرماتے ہوں گے کہ جب "مراقبہ فنا" کیا جاتا ہے تو اُس میں ہر چیز فنا ہوتی نظر آتی ہے حتیٰ کہ ساری کائنات فنا ہو جاتی ہے کچھ باقی نہیں بچتا۔کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔اُس کے بعد جب بقا باللہ کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ ویبقیٰ وجہُ ربک ذوالجلال والاکرام تو ہر وجود کے ساتھ قادر مطلق کے انوارت نظر آتے ہیں۔جن کی وجہ سے وہ قائم ہے تو سامنے سمجھ آرہی ہوتی ہے کہ قائم بذات صرف اللہ کی ذات ہے باقی سارے وجود اُس کے قائم رکھنے سے قائم ہیں۔ اُس کے بنانے سے بنتے ہیں اور اُس کے مٹانے سے

مٹ جاتے ہیں اُن کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب اس کیفیت سے صوفیاء گزرے تو انہوں نے کہا کہ وجود دراصل ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو ازل سے ابد تک ہے، ہمیشہ ہے، ہر حال میں ہے ہر جگہ ہے۔ باقی نہ ہونے کے برابر ہیں اور صرف اُس کے قائم رکھنے سے قائم رہتے ہیں اُس کے مٹا دینے سے مٹ جاتے ہیں اُن کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ اسے 'وحدت الوجود' کا نام دیا گیا ہے کہ وجود صرف ایک ہے واحدہ لا شریک ہے۔ باقی وجودوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے جب اس نظریے کو اپنی کتاب میں جگہ دی اور اس پر بحث فرمائی تو پھر یہ مستقل ایک نظریہ بن گیا۔ لیکن اس کا مفہوم یہ تھا جو میں عرض کر رہا ہوں۔

کاملین سے جاہلین

یہ بات کاملین کی تھی، اہل علم کی تھی۔ بعد میں جب لوگ آئے اُن کا کمال نہ علوم باطنی میں اس پائے کا تھا نہ علوم ظاہری میں اُن کے علوم اس پائے کے تھے تو اس میں ایک قباحت آ گئی۔ بجائے اس کے کہ یہ سمجھا جاتا کہ اللہ ہی باقی ہے جو کچھ ہے یہ فانی ہے سمجھا یہ جانے لگا کہ ہر وجود میں اللہ ہے۔ وحدت الوجود کا جو مفہوم تھا وہ یکسر بدلنے لگا تو یہ ہندوؤں والا عقیدہ بننے لگ گیا تھا جیسے ہر وہ طاقت جسے وہ ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں کہ اس میں بھگوان موجود ہے۔ بڑا پہاڑ ہو تو اُس کی پوجا شروع کر دو، بڑا درخت ہو تو اُس کی پوجا شروع کر دو۔ کوئی بھی جانور ایسا ہوتا جو قابو نہ آئے تو اُس کی پوجا شروع کرنا کہ اس میں بھگوان ہے۔ تو وہ اس میں قباحتیں در آئیں نا اہلوں کی وجہ سے وہ یہ تھیں۔ ان قباحتوں کی وجہ سے حضرت الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے مقابلے میں بدل کر وحدت الشہود کا لفظ دیا کہ ہر چیز ہر وجود اُس کی وحدت پہ گواہ ہے یعنی ہر وجود کی جو ذات ہے وہ اُس کی قدرت کاملہ پہ گواہ ہے۔ اُس کی شہادت دے ہی ہے تو اُن قباحتوں سے بچنے کے لئے اس کی اصلاحی صورت تشکیل دی گئی جس میں خطرہ کم تھا یا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اب جسے گمراہ ہونا ہو اور کوئی ایسی گستاخی کر بیٹھے کہ اللہ کریم اُسے رد کر دے تو گمراہ ہوتا ہی ہے۔

ویھدی الیہ من ینیب قران حکیم کتاب ہدایت ہے لوگ اُس کی وجہ سے اعتراض تراش کر گمراہ ہو جاتے ہیں تو جو آبِ حیات پی کر مر جائے اب اُس کا کیا علاج ہے لیکن وہ خطرات ختم ہو گئے اور اصل بات نکھر کر سامنے آ گئی۔ تو ہر وجود کی اپنی ایک حیثیت ہے چونکہ اللہ نے اُسے تخلیق فرمایا ہے، اُسے حقوق دئے ہیں اُسے زندگی دی ہے یا اُسے شعور دیا ہے لیکن وہ گواہ ہے اللہ کی قدرت کاملہ پر۔ وہ انسان ہے یا حیوان ہے' جاندار ہے نباتات ہے، آسمان ہے یا زمین ہے' کوئی وجود بھی ہے تو وہ ایک شہادت دے رہا ہے اور سب شہادت جو ہے وہ اللہ کی قدرت کاملہ پر ہے، اُس کے خالق اور اُس کے قادر مطلق ہونے پر ہے تو یہ اُن خطرات سے بچنے کے لئے جو لوگوں کی علمی یا باطنی استعداد کی کمزوری کی وجہ سے وحدت الوجود کی اصطلاح سے در آئے تھے اُن سے بچنے کے لئے یہ راستہ اپنایا گیا۔ وحدت الشہود کا تو یہ اصطلاحات ہیں یہ نظریات نہیں ہیں یہ اصطلاحات ہیں۔

نظریات یا عقائد وہی ہیں جو شریعت مطہرہ نے بیان فرما دئیے۔ (حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ عالی)

نظریات یا عقائد وہی ہیں جو شریعت مطہرہ نے بیان فرما دیئے۔ اب مختلف کیفیات کے اظہار کے لئے مختلف اصطلاحات ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ کوئی عقائد ہیں یا نظریات ہیں۔ یہ اصطلاحات ہیں جن سے اُس کیفیت کا اظہار مطلوب ہے۔ تو اپنی اصل میں دونوں

درست ہیں اُن میں اختلاف نہیں ہے۔صرف یہ ہے کی وحدت الوجود جب کہا گیا تو اُس میں خطرات در آئے اور بجائے اس کے یہ سمجھا جاتا کہ ہر وجود جو ہے اُس کی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ اللہ کے قائم رکھنے سے قائم ہے اور قائم نہ رکھے تو قائم نہیں ہے سمجھا یہ جانے لگا کہ ہر وجود ہی اللہ ہے۔تو اُس اصطلاح کی جگہ دوسری اصطلاح حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو لائے وہ تھی وحدت الشہود کی کہ ہر وجود کی شہادت ایک ہے اور اللہ کی وحدت پر ہے۔ اُس کے خالق کائنات، خالق کل، اور قادر مطلق ہونے پر ہے۔تو وہ نظریات ہیں جن کے پاس علوم ظاہر بھی ہوں اور انہیں کمالات باطنی بھی حاصل ہوں۔تو عموماً اہل علم جو اس شعبے میں آتے ہیں تو یہ اُن کے بحث کرنے کی باتیں ہیں جب عوام کی سطح پہ آتی ہیں تو وہ اپنی استعداد اور اپنی سمجھ اور اپنے علم کے مطابق اسے سمجھتے ہیں اور اُس میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ دراصل بات ایک ہی ہے اُس کے لئے اصطلاحیں دو ہیں اور یہ تو بنیادی عقیدہ ہے اسلام کا اُس میں سے ہے کہ قائم بذات صرف اللہ ہے باقی ہر چیز فانی ہے اور جسے اللہ بناتا ہے بنتی ہے جسے اللہ مٹا دیتا ہے مٹ جاتی ہے۔

کوئی تشریح ان حدود سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے جو شریعت مطہرہ نے متعین فرمادی ہیں۔

تشریح کی حدود متعین کرتے ہوئے حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ عالی نے فرمایا:

یہ ایک ایسا فن ہے کہ اس میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور اپنی علمی استعداد جس طرح اللہ کریم نے مختلف استعداد دی ہے. علم ظاہر کے لئے۔دو شخص اکٹھے پڑھتے ہیں ایک اُستاد سے پڑھتے ہیں ایک جیسی کتابیں پڑھتے ہیں لیکن دونوں کی حیثیت الگ الگ ہوتی ہے۔اس لئے کہ دونوں کی اپنی استعداد جو ہے حصول علم کی وہ الگ ہوتی ہے۔اس طرح بے شمار لوگ اللہ اللہ سیکھتے ہیں، کیفیات باطنی حاصل کرتے ہیں ایک ہی اُستاد سے ایک ہی وقت میں کرتے رہتے ہیں لیکن ہر ایک کا حال الگ ہوتا ہے۔جس طرح کی کیفیات کی استعداد اللہ کریم نے اُس کے وجود میں رکھی ہوتی ہے اُس طرح کی کیفیات بھی حاصل کرتا ہے اور جس طرح کا شعور و آگہی کا مادہ اُس میں اللہ کریم نے رکھا ہوتا ہے اُسی طرح سے وہ سمجھتا ہے۔تو اصولی بات یہ ہے کہ جو بنیادی عقائد ہیں شریعت کے وہ اصل ہیں۔آگے یہ سب تشریحات ہیں اور کوئی تشریح اُن حدود سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے جو شریعت مطہرہ نے متعین فرمادی ہیں۔اُن حدود کے اندر وضاحتیں ہیں تفصیلات ہیں۔جیسے قرآن حکیم کی تفسیر میں بے شمار تفصیل لکھی حضرات نے اللہ مفسرین کرام پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے لیکن اُس سب کا معیار یہ ہے کہ وہ جتنی تفصیل میں چلے جائیں وہ تفصیل اُن حدود کے اندر ہونی چاہئے جو حضور اکرم ﷺ نے متعین فرمادیں۔شارحین حدیث نے حدیث مبارکہ پر بڑی لمبی بحثیں فرمائی ہیں۔مختلف لوگوں نے اعتراض کئے۔حضرات نے اُن کے جواب دیئے اور ایک ایک حدیث پر بہت بڑی بڑی لمبی بحثیں ہیں تو شرط بنیادی صرف یہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی مراد تھی۔ ارشاد سے آپ ﷺ کی مراد کیا تھی اُس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس کا کیا مفہوم سمجھا، اُس پر حضور ﷺ کے سامنے کیسے عمل کیا اور حضور ﷺ نے اُسکی تصدیق فرمائی وہ ہو جاتی ہے۔ اُن الفاظ سے مراد کیا تھا اُس حد کے اندر جتنی تشریح، جتنی تفصیل ہوتی رہے۔جب اُس حد سے متصادم ہو گی تو باطل ہو جائے گی۔ چونکہ حق اُس کے اندر ہے۔اس طرح صوفیا کے مراقبات ہوتے ہیں کیفیات ہوتی ہیں مختلف کیفیات سمجھتے ہیں وہ اور اُن کی تعبیرات

اُن کو دیتے ہیں لیکن ان سب کی شرط یہی ہے کہ شریعت مطہرہ کی حدود کے اندر جو کچھ ہے وہ حق ہے جہاں سے کسی کی کیفیت یا کسی کا کشف یا کسی کا الہام شریعت سے متصادم ہوگا تو وہ باطل ہو جائے گا اور شریعت برحق ہے۔

وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ عالی نے فرمایا:

ہوتا یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے بھی ساری شریعت کشف والہام سے، وحی سے حاصل فرمائی۔ وحی کی کیفیت بھی صرف نبی پہ ظاہر ہوتی ہے کوئی دوسرا جو پاس بیٹھا ہو اور وحی نازل ہو رہی ہو تو دوسرے کو سمجھ نہیں آتی۔ اس طرح کشف والہام بھی صاحب کشف و الہام پہ وارد ہوتا ہے کوئی ساتھ دوسرا بیٹھا ہو اسے سمجھ نہیں آتی۔ لیکن نبی کریم ﷺ پر جو وارد ہوتا اس میں دو باتیں یقینی تھیں۔ اُس میں ایک تو حضور اکرم ﷺ پہ جو کچھ وارد ہوتا وہ حق ہوتا تھا۔ اُس میں شیطان مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری بات یہ حق ہوتی تھی کہ جو کچھ حضور ﷺ پہ وحی سے یا کشف سے' یا نبی کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے، خواب سے اگر کوئی بات نبی پہ وارد ہوتی ہے تو وہ بھی وحی ہوتی ہے اور وہ بھی برحق ہوتی ہے نہ اُس میں شیطان مداخلت کرتا ہے اور نہ اللہ کے نبی کو سمجھنے میں غلطی لگتی ہے۔

صوفیاء اور انبیاء کے کشف اور مجاھدہ میں فرق:

جو کشف اور مجاہدہ صوفیاء کو ہوتا ہے وہ بھی وہی ہوتا ہے جو نبی کو ہوتا ہے۔ اس لئے کہ باتباع نبی اور نبی کی اطاعت میں فنا ہونے سے وہ برکات نصیب ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں بہت بڑا فرق ہے۔ صوفی کے مشاہدے یا اُس کے القایا کشف میں شیطان بھی مداخلت کر سکتا ہے ۔ یہ دونوں خطرات ولی کے ساتھ موجود ہیں جو نبی کے ساتھ نہیں ہیں۔ لہٰذا ہر ولی اللہ کا کشف و مشاہدہ محتاج ہے نبی کے ارشاداتِ عالیہ کا۔ اگر حضور ﷺ کے احکام کی حدود کے اندر ہے، اُس کے مطابق ہے تو درست ہے اگر متصادم ہے تو باطل ہے۔ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ جو کشف نبی کو ہوتا ہے، جو الہام نبی کو ہوتا ہے، جو وحی نبی پہ آتی ہے، جو خواب اللہ کا نبی دیکھتا ہے ساری اُمت اُس کی مکلف ہوتی ہے۔ پوری اُمت کو وہ ماننا پڑتا ہے۔ جو مشاہدہ ولی کو ہوتا ہے کوئی دوسرا بندہ اُس کا مکلف نہیں۔ صاحب مشاہدہ اگر اُس کا مشاہدہ شرعی حدود کے اندر ہے تو اُس پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ اُسے اُس پر عمل کرنا چاہئے لیکن کوئی دوسرا بندہ اُس کے کشف کا پابند نہیں ہے کہ فلاں کو یہ کشف ہوا اس لئے میں یہ عمل کروں۔ یہ شان صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ہے تو لہٰذا کوئی بھی نظریہ ہو یا اُسے آپ اصطلاح کہیں یا کشف کہیں یا مشاہدہ کہیں تو بنیاد شریعت مطہرہ ہے اور ارشادات نبوی ﷺ اور قرآن اور حدیث ہے اور سنت ہے اُس کے اندر اندر اُس کی تشریحات اُس کی تفصیلات علماء کو اللہ کریم علم کے راستے بتا دیتا ہے' علم کے ذریعے سے سمجھا دیتا ہے اور بڑی بڑی بخشیں علماء حضرات نے فرمائی ہیں اور علما ہی کو مشاہدات بھی نصیب ہوتے ہیں۔ جو اس طرف آ جائے اُسے اللہ کریم کشف اور مشاہدے سے سرفراز فرماتے ہیں ان کے کشف سے کوئی نیا حکم جاری نہیں ہو سکتا اور شرعی حدود سے باہر بھی نہیں ہو سکتیں۔ اسلام تو ارشاداتِ نبوی ﷺ کا نام ہے، اسلام تو اعمالِ نبوی کا نام ہے، اسلام تو اخلاقِ نبوی ﷺ کا نام ہے۔ جو حضور ﷺ نے سکھا دیا وہ اسلام ہے۔

اک حرفِ محرمانہ بحضور یاران طریقت و سلسلۂ عالیہ:

ناچیز کی یہ سالوں پر محیط رفاقتِ شیخ اور زندگی بھر کے مطالعہ کا حاصل ہے کہ جو عالی ظرفی، بلند نگاہی، شفقت، درد، جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی، اعتقادات کی درستی، ایمان کی حرارت، نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت اور اعتقادات کو واشگاف انداز میں بغیر لگی لپٹی بیان کرنے کی جرأت و استقامت اور میدانِ تصوف میں درجاتِ عالیہ ہمارے شیخ سلسلۂ عالیہ کو اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص اور رسول کریم ﷺ کی شفقتِ خسروانہ سے حاصل ہیں وہ مجھے پوری تاریخِ تصوف میں کہیں نظر نہیں آئے۔ ہمارے شیخ مکرم اللہ تعالیٰ کے کن کن اسمائے حسنیٰ کے انوارات سے سیراب ہوئے ہیں ناچیز کی حدِ ادراک سے ان کا شمار ماورا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

سولی چڑھنا کوئی نئیں اوکھا، اوکھا اے گھٹ بھرنا
اک قطرہ پی کے نچ پیندے نیں چھوٹے ظرف وچارے لوک
پی سمندر گھٹ بھر چھڑنا، خبر نہ کسے تائیں
ایہہ فقیر ہے کم مرداں دا، مرد کمیں ہوندے سارے لوک

انجینیر عبدالرزاق اویسی نے شیخِ مکرم کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

مے وحدت کے تو نے گو پیے ہیں جام بھر بھر کر
وفورِ کیف میں بھی نہ کہا ما اعظمُ شانی

کاش ہم ان کی ہستی کی پہچان اور ان کے کمالات کا کسی حد تک ہی ادراک کر سکیں۔ آمین۔ یہ ہمارے شیخِ مکرم کی عالی ظرفی ہے کہ آپ تمام سلاسلِ تصوف کے اکابرین و مشائخ کا احترام کرتے ہیں ورنہ میں نے تو بہت سی کتابوں میں ایک سلسلۂ تصوف کے اکابرین کو دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہی پایا ہے حالانکہ تمام سلاسلِ تصوف کا مقصد حصولِ رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی ہے۔

اس مضمون کی تیاری میں حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مد ظلہ عالی کے ارشاداتِ عالیہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

۱۔ تبریز ترجمہ ابریز (حضرت عبدالعزیز دباغ کے ارشادات کا ترجمہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

۲۔ تذکرہ غوثیہ۔ (حالات حضرت سید غوث علی شاہ پانی پتی تالیف مولانا شاہ گل حسن)

۳۔ مجدد الف ثانی کی تحریکِ احیائے اسلام اور سلاطینِ مغلیہ مصنفہ پروفیسر ابصار عالم

۴۔ رسالہ قشیریہ تصنیف امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (۳۷۶ھ تا ۴۶۵ھ)
ترجمہ، مقدمہ و تعلیقات ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی۔

۵۔ وحدۃ الوجود مؤلفہ سید طاہر بخاری

۶۔ فصوص الحکم تصنیف شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الاندلسی الدمشقی ترجمہ از مولانا عبدالقدیر صدیقی صاحب

۷۔ دیوانِ خواجہ شمس الدین محمد شیرازی حافظ

۸۔ منازل السائرین تصنیف شیخ اسلام ابواسماعیل عبداللہ الانصاری الہروی

☆☆☆

سالانہ ممبر شپ کیلئے

کیا آپ ماہنامہ المرشد کے سالانہ خریدار بننا چاہیں وہ بذریعہ منی آرڈر درج ذیل ایڈریس پر مبلغ =/250 روپے روانہ کریں۔
دفتر ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ڈاکخانہ جوہر ٹاؤن ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

اسلام میں ٹیکس

اسلام میں ٹیکس دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ٹیکس ہے کہ ملک میں باہر سے جو چیز آئے حکومت اس پر ٹیکس لیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وقتی ضرورت پڑ جاتی ہے جنگ ہوتی ہے کوئی وبا ہے زلزلہ آ گیا تو ضرورت پڑ گئی اُن ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حکومت اسلامیہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص چیز پر کوئی ٹیکس لگا دے جیسے تیل کے ساتھ ٹیکس لگا دیا گیا۔ لیکن یہ تب تک ہے جب تک وہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ضرورت پوری ہو گئی تو ٹیکس ختم' اس کے بعد لوگ آزادی سے کمائیں' زکوٰۃ دیں' کاشتکاری کریں' کارخانے چلائیں اور زکوٰۃ دیں۔ اگر اس نظام میں باقاعدگی لائی جائے تو حکومت کے سارے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا مالی نظام پیسہ کمانے سے لے کر اس پیسہ کو خرچ کرنے تک آدمی کے ساتھ جاتا ہے' رہنمائی کرتا ہے' دستگیری کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا مالی نظام کمانے اور ٹیکس دینے کے بعد ساتھ نہیں دیتا کہ اسکے بعد ٹیکس گزار کیا کرتا ہے' اپنی دولت کہاں لٹا رہا ہے' صحیح خرچ کر رہا ہے' غلط خرچ کر رہا ہے' کوئی نہیں پوچھتا۔

تعاون

شیخ ناصر شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون: 041-2617075-2611857

دینی جماعتوں کیلئے لمحہ فکریہ

ڈاکٹر غلام فرید بھٹی

تعارف

پاکستان اس وقت اپنی نظریاتی زندگی کے ایک اہم دوراہے پر کھڑا ہے دنیا بھر کی لادینی قوتوں کی نگاہیں اس وقت پاکستان پر مرکوز ہیں۔ دنیا بھر کی واحد سپر طاقت امریکہ حتیٰ کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اہم مستقل اراکین پاکستان میں اپنے نظریاتی حامیوں کی مدد کرنے' پاکستان میں ایک لادینی سیاسی نظام نافذ کرنے اور خدائی نظام ''اسلام'' کو پاکستان میں ناکام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ہماری دینی جماعتوں پر یہ ایک اہم فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ موجودہ حالات کا کماحقہ ادراک کر کے ایک موثر اور کامیاب حکمت عملی اختیار کریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پاکستان میں اسلام کی نظریاتی ساکھ کو وہ نقصان پہنچے گا جس کا مداوا ایک طویل مدت تک نہ ہو سکے گا۔ زیرِ نظر سطور میں اُن راہنما اور بنیادی عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے جن کو پیش نظر رکھ کر موجودہ حالات میں ایک موثر اور قابل عمل حکمت عملی تیار کی جاسکتی ہے۔

دنیا کی نظریاتی باگ ڈور

اس وقت دنیا بھر کی نظریاتی باگ ڈور تنظیم اقوام متحدہ کے ہاتھ میں ہے اور خود اس تنظیم یعنی یو این او کی نکیل سلامتی کونسل کے مستقل اراکین کے ہاتھ میں ہے ان مستقل اراکین کو ویٹو پاور کے ذریعے خصوصی اختیار حاصل ہو گیا ہے اس خصوصی اختیار کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے معاملات کو چلاتے وقت جو بات سلامتی کونسل کے ان اراکین کے اپنے قومی مفادات کے منافی ہو اُسے وہ نامنظور کر دیں اور جو بات اُن کے اپنے قومی مفادات کے حق میں اُسے وہ منظور کر دیں۔ ایسا کرنے میں چاہے پوری دنیا کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہو انہیں اس بات سے نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ کوئی سروکار۔

اُن کے نزدیک دنیا کا مفاد وہی ہے جو اُن کے اپنے قومی مفادات کے عین مطابق ہو اور دنیا کا نقصان وہی ہے جو اُن کے اپنے قومی مفادات کے عین مطابق نہ ہو۔ حق وہی ہے جسے سلامتی کونسل کے یہ اراکین حق سمجھیں اور جھوٹ وہی ہے جسے یہ ممبران ہی جھوٹ سمجھیں۔ اپنے اس حق کے استعمال میں انہیں نہ تو کسی خدا کے حکم کی پرواہ ہے نہ کسی رسول کے فرمودات کی اور نہ ہی دنیا بھر کے انسانوں کی کثرت رائے کی۔

گویا اقوام متحدہ کی یہ سلامتی کونسل خود ہی خدا ہے۔ جس نے انسانوں کا روپ دھار لیا ہے اور اصل خدا معاذ اللہ خود اس قدر بے بس ہے کہ اُسے سلامتی کونسل کی رائے اور خواہش کے سامنے دم مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ صورتحال دراصل اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان صرف اپنی ہی عقل کو خود اپنا خدا سمجھ لیتا ہے۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں کتنے انسانوں نے خدا سے سرکشی اختیار کی۔ خدا نے کمال مہربانی سے ان سرکش انسانوں کو برداشت کیا۔ ان کی سرکشی کے باوجود ان کو اپنے رزق سے نوازا اور سمجھنے کی قوت' طاقت اور مہلت دی اور ایک مدت خاص تک خود انسان اور اس کی عقل کو آزمایا اور جب انسان ان احسانات کے باوجود نہ سمجھا تو ایک دن وہ بھی آیا جب ایسے سرکش اور خدا فراموش انسان اپنی تمام تر عقل اور طاقت و اختیار کے باوجود خدا کا مقابلہ نہ کر سکے اور خدا نے ان کو ایسی شکست فاش دی وہ پورے انسانوں کے لئے سامان عبرت بن گئے انسانی تاریخ میں ایسا کئی بار ہوا اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ دوام خدا کی خدائی کو ہوگا نہ کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو۔

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے

اقوام متحدہ کی تنظیم جون 1945ء میں قائم ہوئی۔ اس کا صدر دفتر نیویارک میں قائم ہے اس تنظیم کا اصل مقصد رکن ممالک کے جھگڑوں کو ختم کر کے پوری دنیا میں امن اور سلامتی کا قیام ہے اس کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد رکن ممالک سے غربت' بیماری اور جہالت کا خاتمہ ہے۔ اس کا تیسرا مقصد رکن ممالک میں دوستی اور مفاہمت کی فضاء قائم کر کے اُن کے حقوق اور آزادی کی حفاظت کرنا ہے۔ اقوام متحدہ کے یہ مقاصد وہ ہیں جو اس کے چارٹر میں مرقوم ہیں ورنہ عملی طور پر یہی نظر آتا ہے کہ اقوام متحدہ کا اصل مقصد اس کی سلامتی کونسل کے مستقل رکن ممالک کے مفادات کا تحفظ ہی ہے۔

اقوام متحدہ کے متعدد ذیلی ادارے ہیں ان اداروں کے ذریعے اقوام متحدہ دنیا بھر کے سیاسی' معاشی' تعلیمی اور ثقافتی اداروں کو کنٹرول کرتی ہے۔

اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کا تحفظ

دس دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک اعلان کیا جس کا نام یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس یعنی حقوق انسانی کا اعلامیہ ہے۔ اس اعلان میں اُن حقوق انسانی کا اعلان کیا گیا جن کے تحفظ کو انسان کی آزادی' انصاف پسندی اور امن عالم کا ضامن قرار دیا گیا۔ یہی حقوق انسان کی عزت نفس اور بین الانسانی مساوات کی ضمانت قرار دیے گئے۔ اقوام متحدہ کے عطا کردہ ان حقوق کے تحت ہر ایک فرد اور انسان کو کوئی بھی مذہب' پیشہ' طرز فکر اور طرز عمل اختیار کرنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ ان حقوق کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کا ایک مخصوص ذیلی ادارہ بھی قائم کیا گیا۔

اقوام متحدہ اور جمہوریت

انسانی حقوق کے تحفظ کے علاوہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں جمہوری نظام کا قیام بھی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اہم فرائض میں شامل ہے۔ مغرب کے نزدیک

جمہوریت کا مطلب ایک ایسے ضابطہ حیات کا قیام ہے جو صرف عوامی امنگوں اور خواہشات کا آئینہ دار ہو۔ اس نظام زندگی کے اظہار اور قیام میں خدا کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اس نظام میں سچ، حق اور صداقت کی کسوٹی صرف انسانوں کی اکثریت ہو۔ انسانوں کی اکثریت جس بات کو حق قرار دے صرف وہی حق تصور ہو، چاہے خالق کائنات کے نزدیک وہ سراسر جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ انسانوں کی اکثریت جس چیز کو جھوٹ قرار دے صرف وہی جھوٹ ہو، چاہے خدا کے نزدیک اصل سچ ہی کیوں نہ ہو۔

جس بات کو انسانوں کی اکثریت پسندیدہ قرار دے صرف وہی پسندیدہ ہو چاہے خدا کے نزدیک وہ بات مردود اور قابل ترک ہی کیوں نہ ہو جس بات کو انسانوں کی اکثریت ناپسند کرے وہی قابل ترک ہو چاہے خدا کو وہ بات کتنی ہی مرغوب و محبوب ہو۔ گویا مغربی جمہوری نظام میں طاقت کا اصل سرچشمہ صرف عوام ہیں اور اس نظام میں خود خالق کائنات کی حیثیت معاذ اللہ ایک بے اختیار اور بے بس حکمران اور ایک خاموش تماشائی جیسی ہے۔

کس قدر تضاد ہے مغربی انسان کے قول اور فعل میں کہ اُس نے اپنی محدود عقل کو تو مختار کل بنا دیا ہے اور اصل مختار کل یعنی خالق کائنات کو اپنی محدود عقل کا طابع۔ مغربی انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر انسانی فکر کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ سوچنے کے لئے اب اُس کے پاس کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔ ایسا اس لئے ہوا کہ اُس نے اپنی عقل کو ہی اپنا خدا بنا کر اسے صرف آخر کا درجہ دے دیا ہے مغربی انسان یہ بات بھول گیا کہ جس طرح اپنی راہنمائی کے لئے عقل کی ضرورت ہے بالکل اسی طرح خود عقل کی راہنمائی کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت ہے وہ چیز نبوت ہے۔

جہاں عقل کی حدود ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے نبوت کی حد شروع ہوتی ہے نبوت کی راہنمائی کے بغیر عقل انسان بے کار ہے۔ نبوت کے بغیر اگر انسان اپنی عقل کو ہی حرف آخر اور اپنا راہنما سمجھے گا تو دنیا میں خود غرضی، ناانصافی فساد اور انتشار پھیلے گا جیسا کہ اب اس کا عملی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ دین الٰہی سے عاری اور بے زار انسان ایک جانور تو کہلا سکتا ہے لیکن وہ ایک انسان کہلوانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے۔

اسلام اور جمہوریت

آج ہماری دینی جماعتیں اور مسلمان دانشور مغربی دانشوروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اصل حقائق سے منہ موڑ چکے ہیں یا مغربی جمہوریت کے مضمرات کا ہمارے دینی راہنما کماحقہ ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے عام سیاسی مباحث میں جمہوریت کو عین اسلام قرار دے رہے ہیں یا کم از کم مغربی جمہوری نظام کو اسلام کے منافی قرار نہیں دے رہے۔ جبکہ اصل میں حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مغربی جمہوری نظام کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے ہماری نجات اس میں ہے کہ ہم ملک پاکستان میں جمہوریت کا نہیں بلکہ صرف اسلام اور خالص اسلام کا مطالبہ کریں۔

اسلام کے نزدیک کسی بات کو صحیح یا غلط قرار دینے کی کسوٹی انسانوں کی محض اکثریت نہیں ہے بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کی مرضی ہے حقیقت میں اسلام کے نزدیک حق وہ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول حق قرار دے دیں چاہے دنیا کے سارے انسانوں کے نزدیک وہ جھوٹ ہی کیوں نہ ہو اور اصل میں جھوٹ وہ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول جھوٹ قرار دے دیں چاہے سارے انسانوں کی اکثریت اُسے سچ ہی قرار کیوں نہ دے رہی ہو۔ بالکل اسی طرح اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ وہ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول پسندیدہ اور ناپسندیدہ قرار دیں چاہے سارے انسانوں کی اکثریت کی رائے اس حقیقت کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام اور مغربی جمہوریت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک حق بات کی کسوٹی اللہ اور اُس کے رسول کی مرضی ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں حق بات کی کسوٹی انسانوں کی اکثریت ہے۔ اسلام میں اللہ کی مرضی کے سامنے انسان بے بس اور خاموش تماشائی ہے جبکہ مغربی جمہوریت کے سامنے انسان با اختیار اور خدا معاذ اللہ خاموش تماشائی اور بے بس ہے۔

انسانی حقوق اور مغربی جمہوریت کے درپردہ معانی

اقوام متحدہ، سلامتی کونسل اور مغربی دانشوروں کے نزدیک انسانی حقوق اور جمہوریت کا جو عملی مظاہرہ ہو رہا ہے وہ حقیقت پر نہیں بلکہ منافقت پر مبنی ہے۔ اُن کے نزدیک ان دونوں اصطلاعات کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کے منافی رجحانات کا فروغ ہو اور اسلامی نظام کسی بھی اسلامی ملک میں قوت نافذ کے طور پر قابل قبول نہ ہو۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ماضی قریب میں الجزائر کے اندر جب مروجہ اسلامی قوتیں مروجہ مغربی جمہوری اصولوں کے اپنے قومی انتخابات میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں تو اُن کی اس انتخابی کامیابی کو قبول نہ کیا گیا اور فوجی قوت کی مدد سے اسلامی قوتوں کی اس انتخابی کامیابی کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔

اسی طرح فلسطین میں جب حماس کی اسلامی قوتیں الفتح تنظیم کے مقابلے میں مروجہ جمہوری اصولوں کے مطابق کامیاب ہو کر جب حکومت بنانے کی حیثیت میں آئی تو حماس کی اس اسلامی حکومت کو چلنے نہ دیا گیا۔

جب ترکی میں دو دفعہ اسلامی قوتیں مروجہ مغربی جمہوریت کے اصولوں کے مطابق کامیاب ہوئیں تو اُن کی اس انتخابی کامیابی کو دل سے قبول نہ کیا گیا۔

حال ہی میں جب اسلامی رجحانات رکھنے والے وزیراعظم اور صدر ترکی مروجہ مغربی

جمہوری اصولوں کے مطابق انتخابات میں کامیاب ہو گئے تو غیر دینی رجحانات رکھنے والی فوج نے ان راہنماؤں کو سلام تک گوارہ نہ کیا۔

بالکل یہی صورتحال انسانی حقوق سے متعلق رواداری کے بارے میں ہے۔ اگر کسی ملک میں کوئی فرد ایسا کام کرے جو اسلامی اصولوں کے منافی ہو تو رواداری کے عالمی ٹھیکیداروں کے مطابق یہ کام قابل قبول اور قابل تعریف ہے اور اس کے فروغ میں مدد دینا اقوام متحدہ کے چارٹر کے عین مطابق ہے لیکن اگر کوئی فرد خود اپنے ہی ملک میں کوئی ایسا کام کرے جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہو تو رواداری کے ان عالمی ٹھیکیداروں کے نزدیک یہ کام بالکل قابل قبول نہیں۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

برطانیہ اور فرانس کے سکولوں میں اگر ایک مسلمان لڑکی اپنی دینی تعلیمات کے مطابق اپنے سر کو کسی سکارف یا دوپٹے سے ڈھانپ لے تو اسے ایسا کرنے کی نہ صرف آزادی نہیں بلکہ یہ لڑکی اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق کسی رواداری کی بھی مستحق نہیں ہے۔ اگر یہی مسلمان لڑکی اپنے دین اسلام کی تعلیمات کے منافی اپنے سر کو ننگا کر کے اپنے چہرے پر سرخی اور میک اپ کی تہیں جمالے، نیم عریاں لباس پہن کر سڑکوں، کلبوں، تفریح گاہوں، قحبہ خانوں اور بازاروں میں دعوت گناہ اور مرد و زن کی مخلوط مجالس میں شراب و کباب اور باہمی جنسی اختلاط کے لئے آمادہ نظر آئے تو اسے ایسا کرنے کی پوری آزادی ہے اور وہ ہر قسم کی رواداری کی مستحق ہے۔

اگر صرف ایک مسلمان خاتون ترکی کی قانون ساز اسمبلی رکن اسمبلی کے طور پر اپنے سر پر صرف سکارف اور دوپٹہ پہن لے تو وہ پوری اسمبلی کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اراکین اسمبلی کا یہ عمل نہ کسی غیر رواداری پر مبنی ہے نہ انتہا پسندی پر اور نہ تنگ نظری اور دہشت گردی پر۔ اسمبلی کے اراکین کے اس رویے پر نہ کسی کا کوئی جمہوری حق پامال ہوتا ہے اور نہ اُس نیک خاتون کے کسی انسانی حقوق پر زد پڑتی ہے نہ کوئی غیر جمہوری قرار پاتا ہے اور نہ کوئی غیر روادار و سعت قلبی کی اس قبا میں خود اُس نیک خاتون کا اپنا دامن ہی اس قدر تنگ پڑ جاتا ہے کہ وہ اپنے سر سے دوپٹہ اُتارنے یا خود اُس مجلس قانون ساز کو ہی خیر باد کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

قیام پاکستان کا مقصد

برصغیر ہند میں انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت ناکام ہو گئی اور اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کی صدیوں پر محیط حکومت ختم ہو گئی اور انگریز پورے ہندوستان میں سیاہ و سفید کا خود مالک بن گیا۔ اپنے عہد حکومت میں انگریز نے مسلمانوں کی حوصلہ شکنی اور ہندوؤں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں سیاسی، تعلیمی، معاشی اور معاشرتی طور پر بہت پیچھے رہ گئے۔ مسلمانوں پر زیادتیاں اس وجہ سے ہوئیں کہ ہندوستان میں انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ اس لئے اب مسلمانوں کو ثقافتی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی طور پر پیچھے رکھنا انگریز کا ایک اہم مشن تھا۔ جنگ عظیم دوئم ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۵ء کے درمیان جب انگریزی حکومت پر بہت زیادہ دباؤ پڑا تو اُس نے ہندوستان کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ آزادی ہند کے بعد ہندو اکثریت کی بنیاد پر مسلمانوں کے حقوق کا کما حقہ تحفظ نہ ہو سکے گا چنانچہ مسلمانوں نے مطالبہ کر دیا کہ ہندوستان کو سیاسی آزادی دیتے وقت ہندوستان کے مسلم اکثریت کے علاقوں پر مبنی ایک علیحدہ آزاد سلطنت قائم کی جائے جس میں مسلمان اپنی ثقافت اور اپنے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اپنے تمام سیاسی، تعلیمی، معاشرتی اور معاشی حقوق کا تحفظ کر سکیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ منظور ہوا اور ان کے لئے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک علیحدہ آزاد ملک قائم کر دیا گیا۔ برصغیر ہند کے باقی علاقوں پر مشتمل جہاں ہندو آبادی اکثریت میں تھی وہاں اُن کے لئے بھارت کے نام پر بھی ایک علیحدہ ملک قائم کر دیا گیا۔

پاکستان میں نفاذ اسلام کے راستے کی بڑی رکاوٹیں

پاکستان اس وجہ سے قائم ہوا تھا کہ یہاں مسلمان نہ صرف اپنے معاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کر سکیں بلکہ اس ملک میں ایسا ماحول پیدا کر سکیں جہاں وہ اپنی زندگی اپنے دین کے مطابق آسانی سے گزار سکیں۔

دنیا کے نقشہ پر اسلام کے نام پر قائم ہونے والی یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت تھی اس مملکت کا قیام اور اس میں اسلام کا نفاذ دونوں باتیں ہمارے دشمنوں کو قطعاً ناپسند تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اندرونی اور بیرونی سازشوں کے ذریعے ہمارے دشمنوں نے سب سے پہلے ۱۹۷۳ء میں اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور اس کے بعد آج تک اس میں اسلام کو نافذ نہ ہونے دیا۔ اس ملک میں لادینی نظریات کے فروغ کے لئے ہر سازش کو پروان چڑھایا گیا۔

گہرے مطالعے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے پاکستان میں اسلامی نظام حیات کو عملی طور پر نافذ کرنے کے راستے میں جن قوتوں نے ایک موثر مزاحمت پیدا کی ان میں بیرونی استعماری طاقتیں افسر شاہی، سیاست دان، فرقہ وارانہ دینی قیادت اور انگلش میڈیم تعلیمی اداروں سے فارغ شدہ مرد و زن پر مشتمل طبقہ شامل ہیں۔ اس تناظر میں اور موجودہ حالات میں دینی قیادت کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے آگے بڑھیں اور ذاتی و گروہی مفادات اور فروعی اختلافات سے اوپر اُٹھ کر قیام پاکستان کے اصل مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ملک و قوم کی صحیح سمت میں رہنمائی کریں۔

..........☆☆☆..........

دعا کا سلیقہ

''دعا یہ ہوتی ہے کہ اس کے لئے جو وسائل آپ کے اختیار میں ہیں' وہ اختیار کریں اور پھر خلوص کے ساتھ اپنا عجز اپنی بیکسی اللہ کے حضور ظاہر کر دیں کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا آپ ہی کر سکتے ہیں۔ دعا کا سلیقہ یہ ہے کہ تعمیل ارشاد کے لئے اپنی کوشش پوری کی جائے اور اپنی کوشش پوری کرنے کے بعد یہ عرض کیا جائے کہ بارالٰہی مجھے پتہ ہے میں عاجز ہوں' مجھ سے یا میری کوششوں سے نہیں ہوگا کرنا آپ ہی کو ہے' یہ جو میں نے اسباب اختیار کئے ہیں' یہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے' آپ کی اطاعت کے لئے کئے ہیں' آپ کا کام ہے کہ آپ میرا مقصد حل فرما دیں۔''

A: 28 One of the difference between doing Zikr on the Internet and in Dar ul Irfan is that of physical nearness. Then, the Masjid and area of Dar ul Irfan has its own Barakah; whoever did Zikr here, whoever visited here and whose Barakah are present here, Dar ul Irfan thus enjoys a unique distinction. Just by coming in the Masjid, without even doing Zikr, one starts experiencing spiritual feelings. Even those people who don't do Zikr and seldom offer Salah, express that upon entering the Masjid, they also experience a different state, while they are neither Zakireen nor belong to the Halqah. Although one gets full Tawajjuh during Zikr on the Internet, because it is direct, online Zikr, but it is second to the Zikr in Dar ul Irfan.

Q: 29 Even in Dar ul Irfan, we tend to make mistakes, usually unconsciously, though, at times, deliberately. What is remedy for this?
A: 29 This is the indication of being human. If a human being does not make mistakes, he is an angel and not a human being, though HE hasn't created us as angels. It is not the omission, but the sincerity for Allah's obedience that is important. At times, a person feels so pained by his omission and repents so sincerely that he earns greater reward for this repentance than for the good deed that he had omitted. The criterion defined by the Holy Quraan is 'They don't insist on what they have done'. If the slaves of Allāh commit a mistake, they don't make it a hobby or profession; it rather perturbs them, they repent and seek forgiveness from Allah and beg HIS pardon. As far as making a mistake is concerned, to err is human; no one other than Prophets is immune from errors. Only they are innocent and no one else. Even when someone is granted a high spiritual status, he may receive Allah's protection, but he can't become innocent. Zikr attracts Divine protection, but still small errors and mistakes do remain an integral part of human nature. A human being remains a human being!

آخروی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے:- اللہ کی اطاعت کی عظمت کا اندازہ میدان حشر میں ہوگا اگرچہ اس کی لذات ہر لمحہ پہنچتی ہیں۔ یہاں بھی سکون اسی کو میسر ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے' عزت اسی کو میسر ہے' جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے' محبت اسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ کسی نافرمان کو بہترین کھانا کھا کر وہ سکون نہیں ملتا جو ایک اطاعت گزار کو روکھا سوکھا کھانے سے ملتا ہے۔ اللہ کا اطاعت گزار بندہ پتھروں پہ سو کر وہ خوبصورت اور پیاری نیند حاصل کر لیتا ہے جو نافرمان اعلیٰ بستروں اور اعلیٰ محلوں میں سو کر حاصل نہیں کر سکتا۔ اس سب کے باوجود اصل حقیقت تو قیامت کو سامنے آئے گی کہ آج جنہیں تم پاؤں کی ٹھوکروں پہ رکھتے ہو' تم ان کے پاؤں چھونے کو ترسو گے لیکن وہ تمہاری رسائی سے بہت بلند ہوں گے۔ والذین اتقوا جو اللہ سے رشتہ استوار رکھتے ہیں' جو اللہ سے محبت کرتے ہیں' جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں' جو اللہ جل شانہ' کی رضا کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں' میدان حشر میں وہ بڑے بڑے شہنشاہوں سے جو اللہ کے نافرمان ہیں' بہت بلند مرتبے پہ ہوں گے۔

یونیک انٹرنیشنل گارمنٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

یو۔کے ہوزری پل کوریاں' سمندری روڈ' فیصل آباد فون 041-2664028 041-2665971

nomenon! Allah Alone knows the conditions of the Quloob; how pure is a seeker's Qalb and how much can he gain in so much time; it is only HIS decision!

Q: 25 What is meant by 'the Company of the Shaikh'?
A: 25 'The Company of the Shaikh' means to spend the maximum time with the Shaikh; it doesn't necessarily mean sitting next to him. You are present here, if you happen to meet the Shaikh, get the opportunity of performing morning and evening Zikr with him, this is also 'the Company of the Shaikh'. Doing Zikr alone, even for years, though it increases the capacity of Rooh but it cannot initiate spiritual progress. When a seeker joins the company of his Shaikh, he instantly progresses to the highest level of his spiritual capacity, because his Qalb has to draw the lights from the Qalb of his Shaikh. This is common to all Salasil. However, in this Silsilah, a seeker may attain to a level, where his stay anywhere in the world is similar to his physical presence in the company of his Shaikh and he keeps ascending to higher spiritual stations. However, because of the distance, his spiritual condition will not be as strong as it would be in the company of the Shaikh.

Q: 26 Is it necessary to take a formal Bai'at to join the Silsilah or is a person considered to have joined the Silsilah if he does Zikr by your method?
A: 26 We haven't placed a Bai'at as a precondition. Whosoever does Zikr by this method has joined the Silsilah and can acquire all blessings. Taking Bai'at is a Sunnah and Sunnah has its own blessings. The blessings acquired by a Bai'at seeker are many times more. However, this is a personal decision. We don't differentiate whether a seeker has taken Bai'at or not.

Q: 27 After meeting the Shaikh once, when again should a seeker meet him?
A: 27 My brother, I have a very vivid experience of this feeling. When we met the Shaikh, we felt the same saturation as a thirsty person feels after drinking water to his full. Gradually, this feeling of fullness started decreasing and led to a stage, where it became impossible to withstand the spiritual thirst anymore. How does someone feel? It depends upon his individual connection with his Shaikh. Love is not measured in terms of time, but in terms of the intensity of feelings. Every soul has its own state, how deeply is someone overwhelmed by love! It is the strength of the relationship, the love and the connection with the Shaikh that matters. Every moment spent in the company of the Shaikh has its own value. Men of God have to seize these moments from the hustle and bustle of life. They have to strive to earn this time, in the same way that a student works hard for his examination or a businessman strives to develop his business. To remain in the company of the Shaikh with sincerity and absorb his Tawajjuh is the real objective. The company of the Shaikh denotes absorption of his direct Tawajjuh during Zikr with him. However, if one doesn't have enough time, then just seeing the Shaikh, meeting him and remaining in his company for some moments can also satiate the spiritual thirst to a great extent. The company of the Shaikh has its strange effects, here hearts communicate with hearts.

Q: 28 Is there any difference between performing Zikr on the Internet and in Dar ul Irfan?

Q: 23 Leaving the view of the ignorant aside, what is meant by deriving beneficence from the Rooh of the Aulia, and how can a Salik get this Faidh (beneficence)?
A: 23 The word 'Faidh' is used in Shari'ah to describe the blessings of the Holy Prophet-SAWS. Although his-SAWS teachings (knowledge) are also a Faidh, but this word has now come to be used specifically for his-SAWS blessings. If someone conveys even a single sentence of the Holy Prophet-saws, that also is Faidh and enlightenment but, at times, some phrases get reserved for specific meanings. The word Faidh has similarly been reserved in Tasawwuf for the states of the Qalb, for inner blessings, for a condition that causes a positive change within the heart and for that journey which denotes going from darkness to the Light. The departure from darkness to the Light, from ignorance to knowledge, from non-cognition to cognition and from inactivity to positive activity is known as Faidh. However, in the view of the ignorant, Faidh denotes acquisition of worldly benefits. 'We visited that tomb and were blessed with a son. We delivered the Niaz of that Wali and recovered from the illness.' All such beliefs are un-Islamic, against the Shari'ah and have been borrowed from Hindu customs.

To pray is the right of a human being, he should pray to Allah. The place does make a difference. If one prays in a Masjid, the Barakah will be more. Similarly, if one prays while in the company of a man of God, the status of the prayer will change because of his Barakah, making it more acceptable. But, in any case, the prayer will be made to Allah only. It is up to HIM to accept or reject it. The entombed Wali can have no say in it. People have, due to ignorance, equated Faidh with worldly benefits. On the other hand, if you read about the men of God, you will find that due to their thought of the Hereafter, they remained engaged in this concern most of their time. They could not adequately attend to worldly issues and thus kept facing problems. After enduring these hardships for a whole lifetime, when they finally escaped to Barzakh, why would they stick their fingers in your worldly problems? These are all superstitions, more so in the Indo-Pak subcontinent, resulting through the interaction of Hindu and Islamic civilizations, especially during the period of Akbar the Great. It was the mixture of these civilizations, cooked during his time, which has cast such effects. Islam is a very simple religion that places a man before Allah; now, it is between him and his Lord!

Q: 24 What is meant by a connection with the Shaikh?
A: 24 Allah Kareem pours Divine Lights from the Qalb of the Shaikh, even without his knowledge into the Qalb of a seeker, according to his sincerity with the Shaikh, and this process continues at its own. The Shaikh is not a knower of the unseen. The Knower of the unseen is the One Who grants these relationships. You can only present purity and sincerity from your side and nothing else. Even the Shaikh cannot judge the level of this sincerity. Yes, the Shaikh is a sure source, because he contains that blessing in his Qalb, which is poured into the Qalb of a seeker who brings in sincerity and true and pure longing. The Granter of this blessing is seeing it HIMSELF. HE will respond in accordance with the level of this sincerity and will accordingly convey it to him. Shaikh Maulana Allah Yar Khan used to say, 'Many a time I wished to conduct the Maraqbaat of a seeker but he was unable to get these even in years; while, at times, a seeker who comes and sits by, attains those Maraqbaat, even without my knowledge. It is an extraordinary phe-

resolve of not repeating that mistake again. It involves a sincere effort to abstain from that mistake in the future; however if he repeats that mistake, repentance is the remedy again. The Prophet-SAWS has instructed to recite *`Istighfar`* which is repentance, and he-SAWS said that he-SAWS himself repeats it at least a hundred times every day.

So it is my humble request to all of you to concentrate on your reformation. My eminent Shaikh-RUA used to say that his round the clock efforts were focused on the development of a group of people who could be identified as `Muslims`. Their conduct, their speech, their dealings with fellow beings and character should be so impeccable that anyone dealing with them is forced to acknowledge that he is dealing with Muslims, and this is how Muslims are. May Allah give us the capacity to achieve this, and please evaluate your-selves constantly and reap the fruits of your hard work. As far as I am concerned it is my duty to teach Allah's Zikr to all those who wish to learn, beyond this, it is his own re-sponsibility how he handles his affairs. It is between him and his **Allah**; I am always afraid of my own follies, and fear that my duty is not affected. I try my best to teach each seeker Allah's Zikr with full attention, and I have never tried to discriminate between any seeker, or given any consideration to their social status, or tried to establish personal links with anyone in hope of drawing some benefit .The Greatest Ruler is Allah Himself, and HE is also the greatest Bestower, so there is no need for pinning hopes on anyone else.

May Allah accept your efforts; please assess yourself and your actions and try to abstain from evil throughout your life. A true slave of Allah is the one who becomes the source of salvation for others as well; who is not only himself delivered from the fire of Hell, but becomes the source of delivering others from it. In the eyes of Allah the most preferred person is the one who himself abstains from invoking Allah's fury, and tries to save oth-ers from it. Another misconception regarding the propagation of religion has developed in us, whereby the propagator wants others to submit to his ideas or join his group. The idea is not to conquer others, but to exert with heartfelt sincerity to pull them out of Al-lah's wrath, and bring them to HIS pleasure. This is a noble effort, and should be the mo-tive behind all forms of religious effort, and is highly appreciated by Allah.

Questions and Answers about Tasawwuf

Questions of Ahbab answered by

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Q: 22 Please mention some attributes of an accomplished Murshid (spiritual guide), so that I can easily recognise him and attach myself with him.

A: 22 The attributes of a real Murshid are of two types: for him and for others. Those re-lated to him are that he must possess the mandatory religious knowledge, should abide by religious injunctions and should follow the Sunnah. Those related to other people are that he should possess the ability of teaching religion and of reforming them. Both attributes are such that a common man cannot judge anyone by these standards. Therefore, a com-mon measure is the positive change in the belief and conduct of those associated with him, such that an onlooker should see that their practical lives reflect the Sunnah of the Holy Prophet-SAWS.

fortune and miseries and throw it on someone else; the other says share the burden of others' sufferings. So these are two religions, poles apart from one another, as distinct from one another as day is from night. Thus the negative thoughts that someone has invoked disease or misfortune upon you, or has taken away your son from you, will actually denote that Allah's system is so weak that whosoever wants may interfere in it and affect the lives of others. Whereas Allah had made this declaration to Satan, *'Lo! My faithful bondsmen-over them thou hast no power' (17:65)*, so who can be a greater evil force than the Satan himself? And this strength of HIS faithful servants was announced by HIM on the very first day; and those who would choose to abandon their Lord, then HE would also leave them to Satan.

If we hold this belief that Allah is always there, then there is nothing to be afraid of, nobody can harm us. Twice each day we meditate after Zikr over the verses *'And HE is with you where so ever you maybe' (57:4)*, and *'WE are nearer to him than his jugular vein' (50:16)* which tells us that HE is within our hearts, more closer to us than even our own selves, and yet we harbour such un-Islamic ideas that HE is helpless and the sorcerers are running the show. Doing Allah's Zikr does not mean that it will make you a saint or the proprietor of Jannah, or that people should gather around you now; rather the output of Zikr is that your precepts and ideology is corrected. Once this is done only then can the actions be right, otherwise without this clarity in precepts any act of piety done incidentally will also be rejected, as the basis of action is the intention and consideration that propelled the action.

So it is my request that we must concentrate on self-analysis, rather than being inquisitive about others. Unfortunately we have gotten into this habit of peeping into the lives of others, what they are doing, how they are doing? We must investigate our own selves the most; we must critically evaluate what we did throughout the day, how we spent our night? It must be pondered over whether our thoughts through the day were positive or negative. This constant screening is extremely vital for reformation; otherwise the entire life will go waste. Hadhrat Umar-RAU said that one must evaluate himself constantly, before the time comes when he is evaluated. However if we are not reformed even after doing Allah's Zikr, then there is no other remedy available for us, as Allah's Zikr is the ultimate cure. It is what we call in medical terminology as the 'Life Saving Drug', beyond which there is no medicine. The goal is not to become a saint, but to transform into a human being and to at least expel Satan's shareholding in our lives. And the one who succeeds in becoming human achieves all the excellence and honour which is destined only for a human being. He will thus be awarded Allah's nearness, he will be accepted in the Prophet's-SAWS court and will be spared the embarrassment on the Day of Judgment, and Allah will also protect him against any humiliation in this world as well.

This verse is addressing the believers, not the people in general or the infidels, but the believers who recite the Kalimah, worship Allah, asserting that mere belief is not enough, nor is the observation of certain ritual worships. Rather it is desired that *'O ye who believe! Enter completely into submission (unto HIM)*. A believer is being asked to bring himself completely inside the cover of Islam. One may commit a mistake, that is a separate issue, and for that he can always resort to repentance, and repentance means a sincere

ing his means of life, he saith: My Lord despiseth me.`(89:15,16) so when man experiences a decline in his fortunes, his power, authority, esteem, it is seen by Allah whether he trusts HIM through such misfortune or gives in to despair. Allah knows exactly what he will do, HE does not try us to find out how we will react; rather HE tries us to make us aware of our own deeds. On the Day of Judgment when we will stand before HIM, HE will show us our Record of Deeds and point out where we had relied on HIM, and where we had lost hope in HIM.

I honestly feel that it is a shortcoming on my part as a mentor, that students of this Path, after spending so many years in Zikr **Allah**, cannot even purify their thoughts of such ungodly ideas. At least we must be able to discern the ideology held by a non believer from that of a believer. If we cannot even segregate our thoughts, then how can we possibly prove our individuality as Muslims? A Muslim is a unique person in his surrounding; he can be identified wherever he maybe. He has no authority of his own; rather he is under the rule of his Allah, and HIS Prophet-SAWS. Whatever he is commanded to do, he simply complies; whereas the infidel world lives according to its whims, doing whatever pleases them. They will be answerable for their own conduct, while a believer will be accountable for his. So making the situation clearer the Quraan addresses the believers to enter into Islam completely, from belief to conduct. It is not acceptable that after entering into Islam they lead a life characteristic of the infidels; think similarly. Nor is it acceptable that a believer claims that he has embraced the Faith and at the same time takes interest; or is also guilty of lewdness, embezzlement and vices! What kind of an Islam is this? This simply indicates that even after embracing the Faith a believer is toeing the footsteps of the devil, and the Ayah continues to say `*And follow not the footsteps of the devil*` it does not befit a believer after having entered into the fold of Islam to follow the footprints or lines marked by the devil. He must appreciate that for his guidance there are the noble footsteps of the Beloved Prophet-SAWS, so after becoming a believer he must try to pursue them. A believer should evaluate his thoughts, his conduct in the light of the Quraan, he should weigh his precepts, and himself in the scale presented by the Quraan, and Hadith.

So it is sad that some seekers after spending such a long time in Zikr are still clinging to the ideology held by a Hindu; some lament that their son's livelihood has been blocked by a magic spell etc. I would like to ask them a question, why is it that the infidels living in Europe and America never face such a blockade? This ideology is held only in India, no where else in the world, and in India too only because of the Hindus, as this is what their religion is based on. I was in Dubai on a visit, and my hosts had arranged a car for me with a Hindu driver. One day he didn't show up at appointed time; so when he came I asked him why he was late. He said that they observed a very important ritual on that day and it came only once a year, so he had to be late. I asked him as to how they observe that day, and he told me that they perform certain rituals of worship before their idols, ignite small lamps and then knead a small ball of flour and drop that ball somewhere on the road. I asked what good it would do. He said anybody stepping on it would become the recipient of all our future miseries or disease. Now this is what their religion is based on; whereas Islam teaches us the spirit to sacrifice our own comforts in order to alleviate the sufferings of others. Now these are two opposite ideologies; one says gather all your mis-

ENTER ISLAM IN ENTIRETY

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
November 2006

In the Name of ALLAH, the Beneficent, the Merciful
`O you who believe! Enter completely into submission (unto HIM); and follow not the footsteps of the devil. Lo! He is an open enemy for you. (2:208)

This is Allah's Command, and strangely it is addressed to those who believe in HIM. Allah is the Creator of man, as well as of his thoughts, capabilities and aspirations, and HE has given man the right to make a choice; ` *Lo! WE have shown him the way, whether he is grateful or disbelieving.* (76:3)

Man has been given the power to choose whether he wants to be grateful to his Creator, or not. The human psyche which works behind this authority is well known to ALLAH. It is often professed wrongfully that this world is something to be despised, or is hateful; but it is not true. The truth is that this world is a beautiful place; it is full of pleasures and charm for the human disposition, so much so that for its love man abandons his Creator. Had this been worthless or despicable or without any pleasures then why would a man prefer it over the pleasures of Allah's nearness? This world is also HIS creation and HE has made it with such perfection that it has become a trial for man. It must be remembered that our deeds rest on the precepts and beliefs we hold. Even if our deeds are little in quantity, but are based on the correct precepts then these are surely valued. However if the precepts are not correct then nothing is accepted, no matter how much we do. Our tragedy is that we have spent 1500 years with Hindus in the sub-continent which even witnessed the rule of such Muslim emperors who strived for Hindu-Muslim unity and in the process made amendments to Islam, interpolating it with ungodly precepts. Akbar the Moghul emperor ruled the sub-continent for 50 years, and he was the greatest champion of this cause, and even married a Hindu lady to promote this unity. His son Jahangir was the son of his Hindu wife. Thus marriages amongst Hindus and Muslims caused an intermingling of ideas, and as a result we adopted most of their concepts. For instance I receive a lot of letters saying that their provisions have been blocked by some evil spell, now this cannot be the ideology held by a believer, it has certainly come from the Hindus. A Muslim believes simply in the fact that Allah is the Provider (Raaziq), and what HE disburses cannot be intercepted by anyone, nor can anyone grab something that HE has decided not to give. Life is an ongoing process featured with upheavals programmed by HIS Will, by which HE tests HIS mankind; sometimes through might and power, or else with weakness and despair. At times they are victorious, and at times vanquished, but the test is whether they can remain steadfast in their trust on Allah through both; whether they remember Allah in affluence alone, or remain firm in their reliance upon HIM even in destitution?

The Quraan says *`as for man, whenever his Lord trieth him by honouring him, and is gracious unto him, he saith: My Lord honoureth me`*. So this is one form of trial whereby man is showered with affluence and bounties. Then it is said` *HE trieth him by straiten-*